بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اغوا کا جواب

اشتیاق احمد

www.urdukorner.com

دو باتیں

السلام علیکم!

پانچویں خاص نمبر کا پہلا حصہ "پُراسرار اغوا" آپ پڑھ چکے ہیں۔ دوسرا حصہ "اغوا کا جواب" ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے حصے میں چالاک منصوبہ ساز نے کرداروں کو مکمل طور پر بے بسی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس ناول میں بھی تقریباً آخر تک آپ انہیں مجبور اور بے بس ہی پائیں گے۔ لیکن پھر اچانک۔ کہانی ایک موڑ لیتی ہے۔ آپ کے کردار اغوا کا جواب دیتے ہیں۔ یہ جواب کیسا تھا، آپ پڑھ کر ہی اندازہ لگا سکتے ہیں اور اندازہ لگا سکیں تو فوری طور پر تیسرا حصہ پڑھنا شروع کر دیں۔ اس کے اختتام تک بھی آپ کی الجھن دور نہ ہو تو چوتھے اور آخری حصے کی خبر لینا شروع کر دیں اور میں چاہتا بھی یہی ہوں، صرف اور صرف یہی کہ آپ ایک کے بعد دوسرا حصہ پڑھتے چلے جائیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک پڑھ کر ہی اکتا جائیں اور ناول پرے پھینکتے ہوئے کہہ اٹھیں، لاحول ولا قوۃ، اس کے باقی حصے پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ حماقت کی ہی کیوں جائے۔ کرنے کے لئے اور حماقتیں کیا کم ہیں۔ مثلاً ایک صاحبہ ہیں، وہ میرے ناول کے آخر صفحات پہلے پڑھتی ہیں اور شروع سے ناول بعد میں شروع کرتی ہیں۔ ہے اس حماقت کا جواب؟ بھلا جاسوسی ناول کے آخری صفحات بھی کہیں پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ آخر صفحات کو تو کھول کر ان پر نظر بھی نہیں ڈالنی چاہیے کہ کہیں مجرم کے نام پر نظر نہ پڑ جائے۔ کم از کم میں بچپن میں کسی جاسوسی ناول کے آخری صفحات پر نظر ڈالتے ہوئے بری طرح ڈرا کرتا تھا، لہٰذا آپ کو بھی ڈرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ہے نا عجیب دعوت۔ اس

دعوت کے جواب میں آپ مجھے بھی کوئی دعوت نہ دے بیٹھئے گا۔ میرے کرداروں کی اور بات ہے۔ وہ اگر اغوا کا جواب دے سکتے ہیں تو دعوت کا جواب بھی دے سکتے ہیں اور عداوت کا بھی۔ دو باتیں پھر لمبی ہو چلیں، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ چونکہ یہ خاص نمبر چار حصوں میں شائع کیا جا رہا ہے، اس لیے دو باتیں کا صرف ایک ایک صفحہ ہی ہوتا، لیکن چونکہ ہر حصے پر خاص نمبر کی چھاپ لگی ہے، لہٰذا اسے کسی لحاظ سے تو ظاہری طور پر خاص نمبر نظر آنا چاہیے، لہٰذا سوچا، دو باتیں کیوں نہ ہر حصے میں ذرا طویل کر دی جائیں۔ یہ کوشش دوسرے حصے تک تو بار آور ہوئی۔ آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے، تیسرے حصے کو دو باتیں آدھے صفحے کے برابر ہی لکھ سکوں۔ دماغی رو کا کیا ہے، بہک بھی سکتی ہے، رک بھی سکتی ہے، اوٹ پٹانگ بھی چل سکتی ہے اور جب اوٹ پٹانگ چل پڑے تو پھر ایسی دو باتیں معرض وجود میں آتی ہیں، جیسی اس حصے کی دو باتیں۔ اب آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ اس وقت میری دماغی رو اوٹ پٹانگ چل رہی ہے، لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ ان دو باتوں کا دفتر یہیں بند کر دیا جائے۔ آخر آپ کب تک ایسی دو باتیں پڑھ سکیں گے۔ لہٰذا اللہ حافظ۔

اشتیاق احمد

www.urdukorner.com

رے رے ریڈ

ہلکی سی تاریکی میں انسپکٹر کامران مرزا نے سر ذرا اوپر کیا اور سامنے دیکھا۔ میدان ایک جگہ سے تھوڑا سا ابھرا ہوا تھا۔ اس اُبھار کے دوسری طرف انہیں چند سر دکھائی دیے۔ ایسے وقت ایک تیر سنسناتا ہوا ان کے اوپر سے گزر گیا۔

''ہوشیار، دشمن تیروں سے مسلح ہے۔ اس نے ہمارے دوڑتے قدموں کی آواز سن لی تھی۔ اس لیے پہلے پوزیشن لے چکا ہے، وہ ہمارے زد میں آنے کا انتظار کر رہا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ ہم پر بوچھاڑ ہوتی، مجھے ان کی موجودگی کا احساس ہوگیا۔ ٹھہرو، یوں کام نہیں چلے گا۔ ہمارے اغوا کرنے والوں نے شاید مجھے تیر اور کمان اسی لیے دیے تھے، کہ اس میدان میں ان جنگلیوں سے مڈبھیڑ ہونے کے امکانات تھے۔'' انہوں نے کہا اور پھر کندھے سے کمان اتار کر اس میں ایک تیر چڑھایا۔

''لیکن ابا جان، ہم کیا کریں۔ کمان تو صرف ایک ہے۔'' آفتاب نے پریشان آواز میں کہا۔

''ہاں، کمان ایک ہے، لیکن تم ہاتھ میں ایک ایک تیر تو سنبھال ہی سکتے ہو۔'' وہ بولے۔

''لیکن اس کا کیا فائدہ ہوگا۔'' فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اغوا کا جواب

اشتیاق احمد

"فائدہ، تم ان تیروں کی ڈھال بنالیتا۔ ہر آتے ہوئے تیر کے ساتھ کرکٹ کی گیند کا سلوک کرنا، یہ گویا تمہارے ہاتھ میں بلے ہوں گے۔"

"اس طرح تو آپ وکٹ......" آصف کہتے کہتے رک گیا، اسی وقت ایک دوسرا تیر ان کے سروں کے بالکل قریب سے گزر گیا تھا۔

"یہ لوگ اس طرح باز نہیں آئیں گے۔ انہیں سبق سکھانا ہی پڑے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا دانت پیس کر بولے اور پھر نظر آنے والے سروں میں سے ایک کا نشانہ لیتے ہوئے انہوں نے تیر چلا دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئے، وہ سر ایک دم غائب ہو گیا تھا، جب کہ باقی سر جوں کے توں اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔

"حیرت ہے، انہوں نے یہ کیسے جان لیا کہ میں نے کس کا نشانہ لیا ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"ابا جان، سنا ہے، ان جنگلیوں کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔"

"ہوں۔ ٹھہرو، میں ایک اور تجربہ کر لوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے دوسرا تیر چلایا اور اس بار ایک اور سر کا نشانہ لیا تھا۔ تیر چلتے ہی وہ سر بھی پیچھے ہٹ کر نیچے ہو گیا، باقی سر اپنی جگہ رہے۔ اس دوران وہ سر پھر نظر آنے لگا تھا، جس پر انہوں نے پہلا تیر چلایا تھا۔

"کہیں یہ لوگ جادوگر تو نہیں۔" فرحت نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اونچائی پر ہیں اور ہم ڈھلوان میں۔ وہ ہمیں بخوبی دیکھ رہے ہیں، جب کہ ہم ان کے صرف سر دیکھ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے، میرے ہاتھوں کی حرکت اور تیر کی سمت پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں۔ اسی لیے صرف وہی آدمی اپنا سر پیچھے ہٹاتا ہے جس کا میں نشانہ لیتا ہوں۔ لیکن اس مرتبہ میں ان کے ساتھ چال چلوں گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے تیسرا تیر کمان میں جوڑا۔ ایک سر کا نشانہ لیا۔ لیکن پھر اچانک تیر کا رخ بدل دیا۔ دوسرے ہی لمحے ان کی کمان سے تیر نکلا اور انہوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ وہ سر بھی پیچھے ہٹا تھا جس کا نشانہ لیا گیا تھا اور وہ سر بھی جس کی طرف انہوں نے تیر چلایا تھا۔ ساتھ ہی ایک تیر پھر ان کے سروں پر سے گزرا۔

"حیرت ہے، یوں تو یہ لوگ حد درجے چالاک ہیں، لیکن نشانہ باز اتنے اچھے نہیں ہیں۔ ابھی تک ہمیں ایک تیر سے بھی بچنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ نہ ہی تم تینوں کو تیروں کے ذریعے بچاؤ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔"

"کیوں نہ ہم ان پر دوسرے طریقے سے قابو پانے کی کوشش کریں۔" فرحت نے کچھ سوچ کر کہا۔

"دوسرے طریقے سے۔ یہ دوسرا طریقہ کون سا ہے؟" آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔

"فرحت کا خیال ٹھیک ہے، آفتاب یہ کام تم کرو گے۔"

"کون سا کام؟" اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

"پیچھے کھسک جاؤ اور چکر کاٹ کر ان کے پیچھے پہنچنے کی کوشش کرو۔ اس دوران میں برابر تیر چلاتا رہوں گا۔ ان کا دھیان پیچھے کی طرف جائے گا بھی نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان، اگر یہ لوگ اونچائی پر ہونے کی وجہ سے ہمیں دیکھ رہے ہیں تو کیا مجھے پیچھے ہٹتے اور چکر لگا کر اپنی طرف آتے نہیں دیکھ لیں گے۔" آفتاب نے اعتراض کیا۔

"ہاں، تمہارا اعتراض بجا ہے، لیکن تمہارا سر نیچا رہے گا اور باقی جسم ان کی طرف جائے گا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ۔۔یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"گرتے وقت میرا بیٹ نیچے گر گیا تھا۔ یہ اس طرف پڑا ہے۔ تم اسے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لو اور پھر بیٹ سے سر نکال کر کھسکنا شروع کردو۔ آصف تمہارے بیٹ کو اسی پوزیشن میں رکھے گا۔"

"ترکیب تو زوردار ہے۔ تو پھر میں اللہ کا نام لے کر اس پر عمل کرتا ہوں اور اگر واپس نہ لوٹوں تو فاتحہ پڑھ دیجئے گا۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تم فکر نہ کرو، ہم یہاں باقاعدہ تمہاری قبر بھی بنادیں گے۔" فرحت نے جل کر کہا۔

"شکریہ، مہربان ہوں تو ایسے۔"

یہ کہہ کر اس نے بیٹ اٹھا کر سر پر رکھ لیا، پھر آصف نے بیٹ کو سنبھال لیا اور آفتاب پیچھے کھسکتا چلا گیا۔ اس نے ایک لمبا چکر کاٹا اور اپنے اندازے کے مطابق حملہ آوروں کے پیچھے پہنچ گیا، پھر ان کی طرف کھسکنے لگا۔ اچانک کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ اسے بروقت احساس ہوگیا۔ فوراً پلٹی کھائی۔ حملہ آور ریت پر گرا۔ اس نے فوراً اس پر چھا جانے کی کوشش کی اور بلا کی رفتار سے پلٹ پڑا، لیکن حملہ آور نے بھی لڑھکنی کھائی اور فوراً سیدھا کھڑا ہوگیا۔ آفتاب نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت بڑھی کہ اس کے مقابلے میں اسی کے قد وقامت کا ایک لڑکا تھا۔ اچانک اس لڑکے کے منہ سے نکلا:

"کالا بھوت۔"

آفتاب کو غصہ آ گیا۔ اس نے جھلا کر اس پر چھلانگ لگائی۔ اسی وقت لڑکا بھی اچھلا تھا۔ آفتاب اپنی جھونک میں آگے بڑھ گیا۔ لڑکا پلٹا اور ایک زوردار مکا اس

کی کمر پر رسید کردیا۔ لیکن آفتاب نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ یہی کرے گا۔ لہٰذا فوراً نیچے جھک گیا اور جھکتے ہی ایک پاؤں پر گھومتے ہوئے جوابی حملہ کیا۔ لڑکے نے بھی بلا کی پھرتی کا مظاہرہ کیا اور ڈبکی لگا گیا۔

"یار بھوت، ہو تم بھی کافی تیز طرار، میں نے آج تک کسی بھوت کو اتنا پھرتیلا نہیں پایا۔"

"کم تم بھی نہیں ہو جنگلی لڑکے۔ لیکن یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا۔" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آواز کو کیا ہوتا۔ اچھی بھلی تو ہے۔" لڑکے نے کہا۔

"لیکن یہ مجھے جانی پہچانی کیوں محسوس ہو رہی ہے۔"

"خود مجھے بھی تمہاری آواز جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم کبھی خواب میں مل چکے ہوں۔" لڑکے نے ہنس کر کہا۔

"میری ملاقات کبھی خواب میں کسی جنگلی لڑکے سے نہیں ہوئی۔" آفتاب نے انکار میں سر ہلایا۔

"اور نہ میں نے کبھی اتنے کالے بھوت کو خواب میں دیکھا بھوت کالے تو ضرور ہوتے ہیں، اتنے کالے ہرگز نہیں ہوتے کیا تم نے اپنے جسم پر رنگ کر رکھا ہے؟" لڑکا بولا۔

"ارے نہیں۔ یہ رنگ تو ہمیں بیٹھے بٹھائے مل گیا ہے۔"

"کمال ہے، میں نے کبھی کسی کو بیٹھے بٹھائے اتنا گہرا رنگ ملتے نہیں دیکھا۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"تم باتیں بہت بناتے ہو۔ آؤ نا، ہم تو مقابلہ کرنے نکلے تھے۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"باتیں تو تم بھی کم نہیں بناتے۔ میں تم سے کمزور نہیں ہوں آؤ۔ ہمارے درمیان فیصلہ ہو ہی جائے۔"

دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور اس طرح آگے کو جھک گئے۔ جس طرح دو مرغ لڑتے وقت جھک جاتے ہیں۔

"پتا نہیں کیا بات ہے، تم سے لڑنے کو جی نہیں چاہ رہا۔" لڑکے نے کہا۔

"ڈر لگ رہا ہو گا۔" آفتاب مسکرایا۔

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ تمہاری آواز آخر مجھے جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے، کہیں تم آواز بدل کر تو نہیں بول رہے۔"

"کیا کہا، آواز بدل کر؟ تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا؟"

"اس طرح کہ میں اب تک تم سے آواز بدل کر بات کرتا رہا ہوں۔" لڑکے نے کہا۔

"لیکن میں نے آواز نہیں بدلی۔ یہ ہو سکتا ہے، اس رنگ نے آواز میں بھی کچھ فرق ڈال دیا ہو۔ ارے، مگر تمہیں آواز بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میرے ابا جان کا حکم یہی تھا۔ انہوں نے تمہیں اپنی ٹکڑی سے الگ ہو کر چکر لگاتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے تمہارے استقبال کے لیے مجھے بھیج دیا۔ کہو، استقبال کیسا رہا؟"

"بہت شاندار، اب مہربانی فرما کر اپنی اصلی آواز میں بات کرو۔"

"کیوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے ابا جان کی ہدایت کو بھول جاؤں۔"

"نہیں، خیر، کیا تم فاروق ہو۔" آفتاب نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پوچھا۔ کیونکہ اب تک وہ یہی محسوس کر رہا تھا۔

"اور کیا تم آفتاب ہو؟" فاروق بھی بدلی ہوئی آواز میں بولا۔

"اف خدا، تو، تو میرا اندازہ درست تھا۔"

"اور ادھر میرے ابا جان کا اندازہ بھی درست تھا۔ انہوں نے پہلے ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ تم لوگ ہی ہو سکتے ہو۔ ہم نے تمہیں دوڑ کر آتے دیکھ لیا تھا۔ تم لوگوں کا بالکل کالا رنگ دیکھ کر ہم ڈر گئے تھے کہ نہ جانے تم کون سی دنیا کی مخلوق ہو، پھر ابا جان نے پوزیشن لینے کا حکم دیا۔ ہم اونچائی پر تھے، اس لئے سب کچھ آسانی سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے کرنے والا تھا، لیکن نہیں۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ جب تم نے مجھے پہچان لیا تھا تو پھر لڑ کیوں رہے تھے۔" آفتاب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بس یوں ہی، میں نے سوچا، ذرا لطف رہے گا۔"

"بھاڑ میں گیا لطف وطف۔ اگر کوئی چوٹ ووٹ آ جاتی۔"

"نہیں، جب کہ میں تمہیں پہچان گیا تھا، چوٹ کس طرح آ سکتی تھی۔ ابھی لیے تو ہمارے تیر تمہارے سروں کے اوپر سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔"

"میرا خیال ہے، ہمیں آپس میں جھگڑنے کی بجائے چل کر ان دونوں پارٹیوں میں صلح کرا دینی چاہیے۔ کہیں اس مذاق میں کوئی تیر کسی کے لگ ہی نہ جائے۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، آؤ۔"

دونوں آگے بڑھے اور جب اس جگہ پہنچے جہاں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی لیٹے ہوئے تھے تو انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"فاروق، کیا میرا خیال ٹھیک ہے؟"

"جی ہاں، آفتاب میرے ساتھ ہے۔"

"ویری گڈ، تب تو جنگ بند کرنے کا اعلان ہو جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے

"انسپکٹر کامران مرزا، میں اپنے ہتھیار پھینک رہا ہوں، کیونکہ ہمارے ہتھیار دوستوں کے لیے نہیں اُٹھتے۔ آفتاب یہاں پہنچ چکا ہے، آپ لوگ بھی بے دھڑک یہاں آسکتے ہیں۔"

"ہائیں، انسپکٹر جمشید۔ یہ تو آپ ہیں، میں بھی کہوں، میرے تیر نشانے پر کیوں نہیں بیٹھ رہے۔"

"اس لیے کہ آپ بھی جان بوجھ کر ٹھیک نشانہ نہیں لے رہے تھے۔ آپ بھی یہی سوچ رہے تھے کہ اس میدان میں ہم لوگوں کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔"

دونوں پارٹیاں پُرجوش انداز میں آگے بڑھیں اور پھر ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ یہ ملاپ بھی عجیب ملاپ تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کی ملاقات یہاں ہوگی۔ خیالی پلاؤ ضرور پکایا گیا تھا، لیکن انہیں اس کی امید ایک فی صد بھی نہیں تھی۔ گلے مل کر فارغ ہونے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے سب سے پہلے منہ کھولا:

"تو آپ لوگ ہماری تلاش میں نکلے تھے؟"

"آپ کی تلاش میں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اوہ، تو آپ کو بھی اغوا کیا گیا ہے؟"

"ہائیں، تو کیا آپ لوگوں کو بھی اغوا کیا گیا ہے؟" خان رحمان چلائے۔

"ہاں آئیے، اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں۔ ایک دوسرے کی سنیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے اور پھر سب بیٹھ گئے۔

"سب سے پہلے تو میں معافی چاہوں گا۔ میں نے آپ کو کالے بھوت خیال کیا تھا۔" فاروق نے چہرے پر بے چارگی کے اثرات لاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، ہم بھی آپ لوگوں کو جنگلی خیال کر رہے تھے۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"سچ تو یہ ہے کہ انکل، فاروق نے آپ کو بلیک انڈین کہا تھا۔" فرزانہ چہکی۔

"بلیک انڈین؟" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی وہ۔ آپ نے ریڈ انڈین تو سنے ہوں گے۔ آپ لوگوں کے رنگ بالکل کالے دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ آپ لوگ ریڈ انڈینوں کی کوئی دوسری شاخ ہیں۔ یعنی بلیک انڈین۔"

فاروق کی اس بات پر ایک قہقہہ پڑا، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"واقعی، یہ آپ لوگوں کے رنگ کالے کس طرح ہو گئے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ دراصل اس مرتبہ ہم بے چارے بہت بُرے پھنسے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"پھنسے تو ہم بھی بہت بُرے ہیں انکل، اور سچ مچ خود کو بے چارے محسوس کر رہے ہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"تب تو اب ہم ڈبل بے چارے ہو گئے۔" آفتاب بولا۔

"لو بھی، شروع ہونے لگی ان کی مہابھارت تو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دوسرے کے حالات جاننے سے بھی جائیں۔" انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

"انکل کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ چٹیل میدان کچھ اتنا بُرا بھی نہیں۔" محمود بولا۔

فاروق نے منہ بنایا۔

''کو چوٹی کے بھی پر نکلے۔''

تب اگر میں نے تمہیں بی مینڈکی کہا تو برا مانو گے اور مجھے چوٹی کہ

رہے ہو۔'' محمود نے بھی منہ سا منہ بنا کر کہا۔

گزشتہ ایک سال سے مجھے زکام نہیں ہوا۔'' فاروق نے گویا اعلان کیا۔

''ارے ہاں، وہ کھلونوں کا پارسل ملا یا نہیں؟'' فرزانہ کو اچانک یاد آیا۔

''اسی پارسل کی تلاش تو ہمیں یہاں لائی ہے۔'' آصف بڑبڑایا۔

''اوہو، تو پارسل کسی نے اس میدان میں وصول کر لیا ہے۔'' فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

''دھت تیرے کی۔ یار کبھی تو ڈھنگ کی بات سوچ لیا کرو۔'' محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

''دیکھا، میں نے کہا تھا۔'' انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

''جی ہاں، ہمیں معلوم ہے آپ نے کیا کہا تھا، لیکن انکل، آپ یہ کیوں بھولتے ہیں کہ ہم کتنے دنوں بعد ملے ہیں۔'' فرحت نے جلدی سے کہا۔

''بھئی، میں چاہتا تھا، پہلے ہم ایک دوسرے کے حالات سن لیں، تا کہ یہ تو معلوم ہو کہ ہم کن حالات کا شکار ہیں۔''

''اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ لوگ یہاں کب سے ہیں، کھا پی کیا رہے ہیں؟''

''گولیاں۔'' آفتاب بولا۔

''گولیاں۔'' محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں، گولیاں۔ ہمیں یہاں تک لانے والوں نے ابا جان کو چند گولیاں دی تھیں۔ انہوں نے ان میں سے ایک گولی کھائی تھی۔ اس وقت سے انہیں بھوک نہیں

گی، پھر انہوں نے ہمیں بھی ایک ایک گولی دی، ہماری بھی بھوک اور پیاس پر لگا کر اڑ گئی۔ اڑنچھو ہو گئی۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

''یہ تم ساتھ ساتھ ترجمہ کیوں کر رہے ہو۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''اوہو، مجھے یاد آیا، میرا سامنا تو ایک عدد اردو داں سے ہے۔'' آفتاب نے چونک کر کہا۔

''اب معلوم ہوا تم حساب میں کتنے تیز ہو، چھ کو ایک بتا رہے ہو۔'' فرزانہ بولی۔

''اب مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ بھی خود کو اردو داں سمجھتے ہیں۔''

''اس میں سمجھنے نہ سمجھنے کی کیا بات ہے۔ اردو ہماری مادری زبان ہے، قومی زبان ہے۔'' محمود نے جلدی سے کہا۔

''اچھا، اب اردو کی ٹانگ چھوڑو اور ہمیں ایک دوسرے کے حالات جان لینے دو۔'' انسپکٹر جمشید نے تنگ آ کر کہا۔

''کرنے دو یار انہیں باتیں۔ لطف آ رہا ہے۔ ایک دوسرے کے حالات تو ان کے تھک جانے کے بعد بھی ہم سن ہی لیں گے۔'' خان رحمان نے بچوں کی سی دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''اور کیا، ایسی باتیں بھلا روز روز سننے کو ملتی ہیں۔'' پروفیسر داؤد نے بھی خان رحمان کا ساتھ دیا۔

''ایک تو آپ لوگوں نے انہیں سر چڑھا رکھا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

''قسم لے لو، جو میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی کبھی سر پر چڑھایا ہو، یا پھر ان سے ہی پوچھ لو، کیوں بھئی؟''

"نہیں انکل، ہم آپ کے سر پر بھی نہیں چڑھے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اچھا بھائی، تو پھر پہلے آپ لوگ ان کی باتوں سے پیٹ بھر لیں، ہم پھر بات کر لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے عاجز آ کر کہا۔

"ارے ہاں، پیٹ بھرنے پر یاد آیا، تو انکل ایک ایک گولی ہمیں بھی دے دیجیے نا۔ ہمیں بہت بھوک لگی ہے۔ تین دن سے چند ننھے منے پرندوں کے گوشت کے سوا کچھ بھی نہیں کھایا۔"

"تو ہم نے ہی کون سا اس گولی کے سوا کچھ کھایا ہے۔" آفتاب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ کو بھی تین دن....." فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں، ہمیں بھی گھر سے نکلے تین دن ہو گئے ہیں۔" آصف نے سرد آہ بھری۔

"پھر تو شاید ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"لو، اب اس میدان میں کشتی بھی چلے گی۔" فرحت بولی۔

"محاورہ سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اچھا، اب کروں گی۔" اس نے معصومانہ انداز میں کہا اور وہ ہنس پڑے۔

"وہ گولیوں والی بات پھر رہ گئی۔ انکل، کیا آپ کے پاس گولیاں کم تعداد میں ہیں اور آپ اس خیال سے نہیں دے رہے کہ آپ لوگوں کو بھوک لگی تو کیا کھائیں گے۔" محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں محمود، ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم اگر آپ لوگوں کو بھوکا پائیں اور ہمارے پاس کھانے کے لیے صرف اتنا ہو کہ اس سے بمشکل ہمارا گزارا ہو سکے، تو بھی

وہ کھانا ہم آپ لوگوں کو دے دیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جذباتی آواز میں کہا۔

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"گولیاں بے شک آپ لے لیں۔ میرے پاس کل چار ہیں، لیکن پہلے ہمارے رنگ دیکھ لیں۔ اگر اپنے رنگ بھی ایسے دیکھنا گوارا ہیں۔ تو گولیاں حاضر ہیں۔"

"ارے، کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"یہ رنگ ہمیں انہی گولیوں نے بخشا ہے۔"

"اوہ، تب تو ہم انہیں اس وقت تک نہیں کھائیں گے، جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہو جائیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو پھر چلیے، پہلے ہم ایک دوسرے کے حالات ہی سن لیتے ہیں، کیونکہ اب تو ان حالات کو جاننے کے لیے بے چینی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ایسا نہ ہو، یہ بے چینی اتنی بڑھ جائے کہ ہم سر سے پیر تک بے چینی میں مبتلا ہو جائیں۔ ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا، کیونکہ ایک بار پہلے بھی میں سر سے لے کر پیر تک بے چین ہو گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ میرے پاؤں کے نیچے ایک انگارا آ گیا تھا۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"توبہ ہے، بے تکی باتیں کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔" آصف نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے، بے تکی باتیں سیکھنے کی۔" آفتاب نے جھٹ کہا۔

"اور کیا، ان کے پاس پہلے ہی کیا کمی ہے بے تکی باتوں کی۔" فاروق نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، انسپکٹر کامران مرزا۔" انسپکٹر جمشید نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کہ ہم الگ چل کر بیٹھ جائیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں، آپ بالکل ٹھیک سمجھے۔"

"تو پھر سن لو جمشید۔ الگ جا کر بیٹھنے والے صرف تم دو ہو گے۔ میں اور خان رحمان بچوں کے پاس ہی بیٹھیں گے۔" پروفیسر داؤد نے گویا اپنا فیصلہ سنایا۔

"میں آپ کے فیصلے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"آپ بھی ان کے ساتھ بچے بن گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں، بن گئے۔ جاؤ، تم الگ جا کر بڑے بن جاؤ۔ کیوں خان رحمان؟"

"اور کیا، بچہ بننا کون پسند نہیں کرتا۔" خان رحمان بولے۔

"لیجیے، یہاں تو ہم دونوں کے خلاف محاذ ہی قائم ہو گیا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بے چارگی کے انداز میں کندھے اچکائے۔

"تو پھر ہم بھی ان کی باتیں ہی سن لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"وہ مارا، فتح ہمارے قدم چوم رہی ہے۔" فرزانہ نے مکا ہوا میں لہرایا۔

"دیکھو، کہیں تمہارا مکا کوئی اڑا کر نہ لے جائے۔" فاروق بولا۔

"کیا بکواس ہے۔" فرزانہ بھنائی۔

"تم بے شک اسے بکواس کہہ لو، لیکن میں نے ایسا ہوتے دیکھا ہے جو مکا اڑایا گیا، وہ اصل باکسنگ کا مکا تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"وحشت تیرے کی۔" محمود نے ران پر ہاتھ مارا۔

"بلکہ لاحول ولا قوۃ۔" آصف بولا۔

"لیکن شیطانوں کو ہم پہلے ہی بھگا چکے ہیں۔" فرحت بولی۔

"ریے، ریے، ریڈ۔" فاروق نے ڈرتے ڈرتے انداز میں کہا۔

"یہ ریے ریے ریڈ کیا ہوتا ہے۔" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"ریڈار کی کوئی قسم ہوتی ہو گی۔" فرحت بولی۔

"ن۔ نہیں یہ ایک لفظ ہے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا لفظ بھی ہوتا ہے۔ ابھی ابھی ہم اس کا ذکر بھی کر رہے تھے۔" فاروق نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہم ذکر کر رہے تھے۔ اوہو، کیا تم ریڈ انڈین کا لفظ منہ سے نکالنا چاہتے ہو؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، خدا کا شکر ہے، تم سمجھ گئے۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"کیا سمجھ گیا، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ ارے، تم تو خوف زدہ بھی ہو۔" یہ کہہ کر محمود نے اس سمت میں دیکھا، جس سمت میں فاروق کی نظریں گڑی تھیں۔

اب چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی نے پورے میدان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس روشنی میں وہ ایک دوسرے کو اور ادھر ادھر کچھ فاصلے تک دیکھ سکتے تھے۔ محمود نے جونہی اس سمت میں دیکھا، اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"ارے باپ رے۔"

"اب تمہیں کیا ہوا؟" فرزانہ نے جھلا کر کہا اور اس نے بھی ادھر دیکھا۔

پھر تو سبھی نے چونک کر دیکھا اور پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ ریڈ انڈینوں کی ایک پوری جماعت نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں بھالے چمک رہے تھے۔ ان کی خونخوار نظریں ان پر جمی تھیں۔

اور پھر دائرہ سمٹنے لگا۔ ایک ایک قدم اٹھاتے ریڈ انڈین ان کی طرف بڑھنے لگے۔

☆☆☆

جنگلیوں کا حملہ

چند سیکنڈ تک وہ انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے، پھر خان رحمان کے منہ سے نکلا:

"اف خدا، یہ تو کم از کم دو سو ہیں۔"

"اور دو سو کے دو سو بھالوں سے مسلح ہیں، جبکہ ہمارے پاس سوائے چند تیروں کے کوئی ہتھیار نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابا جان، آپ میرے چاقو کو بھول رہے ہیں اور رسی کو بھی، جس کے سرے پر ابھی تک پتھر بندھا ہے۔ آپ ہیلی کاپٹر والوں کی نظر بچا کر اٹھا لائے تھے۔"

"اوہ ہاں، وہ ایک بہت ہی کارگر ہتھیار ثابت ہوگا، لیکن بھالوں کی بارش میں شاید ہم زیادہ دیر تک اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ خان رحمان، تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال یہ ہے کہ ہم ان کی تعداد منتشر کر کے فائدے میں رہیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"بھئی واضح کرو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اگر ہم ان کا دائرہ توڑتے ہوئے مختلف سمتوں میں نکل گئے تو انہیں بھی مختلف گروپوں میں تقسیم ہونا پڑے گا، گویا ہم ان کی طاقت کو تقسیم کرنے میں کامیاب

ہو جائیں گے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ان کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ان کے دائرے سے نکلیں کیسے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس پتھر والے ہتھیار کو استعمال کر کے۔" انسپکٹر جمشید نے سرسراتی آواز میں کہا اور اپنی کمر کے گرد بندھی رسّی کے بل کھولنے لگے۔ پتھر سمیت یہ رسّی وہ اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر لے آئے تھے۔

اس سے پہلے کہ ریڈ انڈین نزدیک آتے، انہوں نے اس کے تمام بل کھول لیے اور کافی لمبی رسی چھوڑ کر پتھر گھمانے کے لیے تیار ہو گئے۔

"انسپکٹر کامران مرزا آپ اور خان رحمان تیر کمان سنبھال لیں۔"

"اور میں اپنا چاقو نکال رہا ہوں۔" محمود بولا۔

"رہ گئے ہم بے چارے، تو ہم بغیر ہتھیار کے ہی لڑیں گے کیونکہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔" فاروق نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو تیغ سے لڑیں، وہ مومن نہیں ہوتے۔ مطلب تو یہ ہے کہ مومن کے پاس اگر ہتھیار نہ ہو تو اس صورت میں بھی وہ ذلت کی موت قبول نہیں کرتا۔ دشمن سے کسی نہ کسی طرح جنگ کرتا ہے۔"

"چلو یہی سہی۔" فاروق بولا۔

"میرے خیال میں سب لوگ سینے کے بل لیٹ جائیں تو بہتر رہے گا۔ جوں ہی میں پتھر گھمانا شروع کروں، آپ لوگ تیر چلانا شروع کر دیں اور پھر موقع پاتے ہی ان کے دائرے سے نکل جائیں۔ اس صورت میں ہم بہتر طور پر مقابلہ

کر سکیں گے۔"

"بالکل ٹھیک، ہمیں یہی کرنا ہوگا۔ مصیبت یہ ہے کہ اس میدان میں درخت نہیں ہیں، ورنہ ان سے مقابلہ مشکل نہ ہوتا۔ لیکن ان حالات میں مقابلہ انتہائی خطرناک ہوگا۔" خان رحمان نے کہا۔

"کیا کیا جا سکتا ہے، ہمیں مقابلہ تو کرنا ہی ہوگا، ورنہ یہ ہمیں گرفتار کر لیں گے اور پھر بھون بھان کر کھا جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ارے باپ رے، یہ لوگ آدم خور بھی ہیں۔" فرحت نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، ان کے بارے میں یہی سننے میں آتا ہے۔"

"اللہ رحم فرمائے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

ریڈ انڈین اب بہت نزدیک آ گئے تھے۔ اچانک پتھر گھومنے لگا۔ اس کی رسّی لمبی ہونے لگی۔ انسپکٹر جمشید ساتھ ساتھ رسّی چھوڑتے جا رہے تھے۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان نے تیر چلانے شروع کیے۔ محمود چاقو ہاتھ میں پکڑے سینے کے بل لیٹا تھا۔ باقی خالی ہاتھ لیٹ گئے تھے۔

ریڈ انڈینوں نے اپنے سروں پر وہ عجیب و غریب ہتھیار منڈلاتے دیکھا تو بوکھلا کر رک گئے، پھر انہوں نے بھالوں والے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ ان سب کے سب نے انسپکٹر جمشید کے جسم کا نشانہ لیا تھا کیونکہ صرف وہی کھڑے تھے۔ لیٹ کر وہ پتھر کو بخوبی اور آسانی سے نہیں گھما سکتے تھے۔ عین اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان نے تیر اندازی شروع کر دی۔ ان کے پاس صرف چند تیر تھے۔ اس لیے انہوں نے بہت احتیاط سے نشانہ لے کر تیر چلائے تھے۔ پہلے دونوں تیر نشانے پر لگے۔ دو چیخیں ابھریں اور اس کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کا پتھر کئی سروں کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ پتھر انہوں نے جان بوجھ کر سروں سے بلند رکھا تھا۔ اگر وہ نیچے ہوتا تو صرف ایک آدھ ریڈ

انٹرین کے جسم سے ٹکرا کر بے کار ہو جاتا۔ وہ پتھر کو پکڑ کر رسی کھینچ لیتے، لہٰذا انہوں نے سروں سے اوپر رکھتے ہوئے پتھر کو صرف چھونے کی حد تک نیچے کیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ کئی بھیانک چیخیں بلند ہوئیں۔ یہ ایک انتہائی خطرناک ہتھیار ثابت ہوا تھا۔ اگرچہ جس وقت انہوں نے پتھر رسی میں باندھا تھا، اس وقت انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ بعد میں ہتھیار کا کام بھی دے گا، تاہم ابھی تک ان کا دائرہ نہیں ٹوٹا تھا۔ ہاں بھالے پھینکنے والے ابتری کا شکار ضرور ہو گئے تھے، جوں ہی ان کے ہاتھ بلند ہوتے، پتھر ان سے ٹکرا جاتا۔ وہ اس ہتھیار سے پریشان ہو گئے۔ انہیں بار بار اوپر دیکھنا پڑ رہا تھا۔ ان حالات میں انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان کے تیر خوب کام آ رہے تھے۔ اور پھر اچانک پتھر کے گھومنے کی رفتار انتہائی تیز ہو گئی۔ وہ تین بار پتھر ریڈ انڈینوں کے سروں کو چاٹ گیا۔ ان کے سر پھٹ گئے اور پھر ایک بار تو ان میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ یہی وہ موقع تھا، جس کا انہیں انتظار تھا۔ سب سے پہلے محمود تیر کی طرح نکلا اور دائرے سے نکلتا چلا گیا۔ فاروق نے بھی اسی وقت ایک اور جگہ سے دائرہ ٹوٹتے دیکھا اور پروفیسر داؤد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے دوڑ لگا دی۔ کئی نیزے ان کے سروں پر سے گزر گئے۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے پتھر اس طرف ٹکرا دیا جس طرف سے انہوں نے نکلنے کا پروگرام بنایا تھا۔ پل بھر کے لیے رستہ صاف ہو گیا اور وہ نکلتے چلے گئے۔ انسپکٹر جمشید کو بھی پروفیسر داؤد کا فکر زیادہ تھا۔ اب فرزانہ، آفتاب، آصف اور فرحت کی باری تھی۔ ادھر کچھ ریڈ انڈین محمود، فاروق اور پروفیسر داؤد کے پیچھے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے نکلتے ہی دائرے میں کافی خلا پیدا ہو گیا۔

"چلو آفتاب نکل چلو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے: "لیکن اس سمت میں نہ جانا جس طرف یہ لوگ گئے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر آفتاب تیر کی طرح نکلا چلا گیا۔ ایک بھالا

اس کے شانے سے ٹکرایا، لیکن خیر ہوئی، اس کا پھل اوپر اٹھا ہوا تھا۔ لہٰذا بھالے کا درمیانی حصہ ٹکرایا اور آگے نکلتا چلا گیا۔ جس جگہ بھالا گرا، آفتاب نے بھی وہاں ٹھوکر کھائی اور بھالا اٹھاتے ہوئے پھر بھاگ کھڑا ہوا۔ اتنی دیر میں آصف اور فرحت کو بھی موقع مل گیا۔ آصف نے فرحت کا ہاتھ پکڑا، دونوں نے دوڑ لگا دی۔ کئی بھالے ان کے دائیں بائیں سے گزر گئے۔ دوڑتے دوڑتے آصف نے مڑ کر دیکھا، ان کے لیے بھالے اٹھانے کا موقع نہیں تھا، لہٰذا وہ رکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔

اب دائرہ کئی جگہوں سے درہم برہم ہو گیا تھا۔ درمیان میں صرف انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان رہ گئے تھے اور پھر ایک ریڈ انڈین نے ایک نیا کام دکھایا۔ اس نے اپنا بھالا اٹھایا اور جوں ہی پتھر اس کے سر کے اوپر سے گزرا، اس نے بھالا اس کے آگے کر دیا۔ پتھر کو ایک جھٹکا لگا اور رسی بھالے کے گرد لپٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ریڈ انڈین انسپکٹر جمشید کی طرف جھپٹے۔ انہوں نے رسی کو ایک زبردست جھٹکا دیا تو وہ ریڈ انڈین اپنے بھالے سمیت ان کی طرف لڑھکتا ہوا آیا۔ رسی کے بھالے کے گرد بری طرح لپٹ گئی تھی۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ رسی کو چھڑا سکتے، لہٰذا انہیں اپنے اس انوکھے ہتھیار سے ہاتھ دھونے پڑے۔ آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتے ہوئے دشمنوں پر انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان نے بھی اپنے اپنے آخری تیر چلائے اور پھر وہ بھی انسپکٹر جمشید کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ کچھ اس قدر تیزی سے دوڑے کہ ریڈ انڈین ان سے بہت پیچھے رہ گئے۔

"ہم تینوں کو مختلف سمتوں میں بھاگنا چاہیے۔ اس طرح دشمنوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ محاذ کھل جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن میں حیران ہوں، یہاں یہ ریڈ انڈین

www.urdukorner.com

کہاں سے آ گئے۔" خان رحمان بولے۔

"بھئی، ہمیں تو معلوم ہی نہیں کہ ہم دنیا کے کس حصے میں ہیں، تاہم اندازہ یہی ہے کہ ہم کسی بہت دور دراز ملک میں ہیں اور اس ملک کے بھی باہر۔ تبھی تو ریڈ انڈینوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے، یہ شخص کیا چاہتا ہے، جس نے ہمیں اغوا کرایا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے اور پھر تینوں الگ الگ سمتوں میں بھاگ نکلے۔ پیچھے آنے والے دشمن بھی تین حصوں میں بٹ گئے اور بے تحاشا ان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ دوڑتے دوڑتے وہ ان پر بھالے بھی برسا رہے تھے، لیکن تینوں ان کے بھالوں کی پہنچ سے دور تھے، لہٰذا بھالے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر رہے تھے۔

اچانک انسپکٹر جمشید کے کانوں سے ایک چیخ ٹکرائی۔ انہوں نے صاف محسوس کیا، چیخ آصف کی تھی۔ وہ تیزی سے چیخ کی طرف مڑے اور بلا کی رفتار سے دوڑے اور پھر وہ دھک سے رہ گئے۔

آصف کو ایک ریڈ انڈین نیچے گرانے کے بعد اس پر چڑھا بیٹھا تھا اور اچھل کود مچا رہا تھا، آصف کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ شاید وہ اس کی چیخوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا، ورنہ کبھی کا اس کا گلا گھونٹ چکا ہوتا۔ انسپکٹر جمشید تاؤ میں آ گئے۔ انہوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ اسی وقت ریڈ انڈین نے ان کی طرف دیکھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا، ان کا بھرپور مکا اس کی کن پٹی پر پڑا، پھر انہوں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے مکے برساتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ نکلا۔ آصف کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، اس نے نزدیک ہی پڑا بھالا اٹھا لیا۔

"شکریہ انکل، آپ نے بروقت مدد کی۔" یہ کہتے ہی اس نے بھالے کی

نوک کا رخ ریڈ انڈین کی طرف کر دیا اور پھر نوک اس کی کمر میں اتر گئی۔ اس کے حلق سے ایک دل دوز چیخ نکلی۔ اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

"آؤ آصف، یہاں سے کھسک چلیں۔ اس کی چیخ اس کے ساتھیوں کو ادھر کھینچ لائے گی اور ہاں، یہ بھالا مجھے دے دو۔ ہمیں فوراً ہی ایک اور بھالا حاصل کر لینا چاہیے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے بھالا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک سمت میں بڑھے، لیکن فوراً ہی ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ انہوں نے دیکھا، تین ریڈ انڈین ان کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ بھالے انہوں نے اس انداز سے پکڑ رکھے تھے جیسے ایک ہی وار میں دونوں کا کام تمام کر دیں گے۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے آصف کو اپنے پیچھے کر لیا اور بولے۔

"آصف، تم میری کمر کے ساتھ چپکے رہو گے۔"

"لیکن انکل، یہ کس طرح مناسب ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ ان سے مقابلہ کرنا چاہیے۔" آصف بولا۔

"نہیں آصف، تم خالی ہاتھ ہو۔ اگر تمہارے پاس بھالا ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ روکتا، لیکن ان حالات میں میرا فرض یہ ہے کہ تمہاری طرف کسی بھالے کو نہ بڑھنے دوں یا تمہاری طرف بڑھ جانے والا بھالا اپنے سینے پر روک لوں۔" ان کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

"انکل۔" آصف کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز میں نکلا۔

"خبردار آصف، تم وہی کرو گے جو میں نے کہا ہے، ورنہ میں اپنے دوست کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ ہاں، اگر ان میں سے کسی کا بھالا تمہارے ہاتھ لگ جائے تو پھر تم ضرور ان کے سامنے آ سکتے ہو، لیکن اس صورت میں بھی یہ مناسب نہیں ہوگا کیونکہ تم

ان کی لڑائی کے داؤ پیچ سے واقف نہیں ہو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی تینوں ریڈ انڈین آندھی اور طوفان کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے۔ تین بھالے ایک ساتھ ان کے سینے کی طرف بڑھے۔

☆☆

فاروق اور پروفیسر داؤد نے بہت دور جا کر دم لیا اور ایک جگہ بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، ہم ان کے چنگل سے نکل آئے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن انکل، ہم اس وقت بھی انتہائی خطرناک پوزیشن میں ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ اس میدان میں کوئی درخت تک نہیں ہے۔"

"ہوں پھر ہم کیا کریں۔ کیا بھاگنا جاری رکھیں۔ میں تو اور بھاگنے کی اپنے میں ہمت نہیں پاتا۔"

"اب بھاگنا نہ بھاگنا برابر ہے۔ ریڈ انڈین چاروں طرف پھیل گئے ہیں۔ ہم انہیں منتشر کرنے میں ضرور کامیاب ہو گئے ہیں، لیکن ابھی تک خطرناک حالات سے دوچار ہیں۔"

"خدا ہمارا مددگار ہے، فکر نہ کرو۔"

اچانک دور ریڈ انڈین دوڑتے ہوئے ان کی طرف آتے نظر آئے۔

"ہوشیار انکل، خطرناک لمحہ آ پہنچا ہے۔ کاش میرے پاس ایک بھالا ہوتا۔"

"تو اس میں پریشان ہونے اور گھبرانے کی کیا بات ہے۔ پریشانی اور گھبراہٹ تو الٹا نقصان دہ ثابت ہوں گی۔" پروفیسر داؤد نے حیرت انگیز ترین حد تک

پرسکون آواز میں کہا۔ فاروق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"واقعی انکل، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب میری آپ سے ایک درخواست ہے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"درخواست، کیسی درخواست؟" وہ چونک کر بولے۔

"ان کا ہر وار مجھے اپنے سینے پر روک لینے دیں۔ میرے ابا جان مجھے یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ تم نے اپنے پروفیسر انکل کی زندگی کی پروا نہیں کی، اپنی جان بچا کر بھاگ آئے، کیونکہ اگر میں چاہوں، تو اب بھی بھاگ کر ان کی پہنچ سے دور جا سکتا ہوں۔"

"تو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ بھاگ کر اپنی جان بچا لو۔ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، یوں بھی موت کے بہت قریب ہوں۔"

"ایسا نہ کہیے انکل، یہ نہیں ہوگا۔ اچھا آپ ایسا کریں گے، ریت پر لیٹ جائیے اور دشمن کی طرف پوری طرح متوجہ رہیے۔"

یہ کہہ کر وہ نیچے جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔ اس نے باوقار آواز میں کہا۔

"میں اب ان دونوں کے مقابلے کے لیے آگے بڑھتا ہوں تاکہ آپ سے کافی دور ہی ان سے مڈبھیڑ ہو جائے۔" یہ کہتے ہی وہ ان دونوں دشمنوں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

"فاروق۔" پروفیسر داؤد کے حلق سے لرزتی آواز نکلی۔

ادھر دونوں حملہ آور ٹھٹک گئے۔ ان کے قدم رک گئے۔ یہ شاید ان کی زندگی کا حیرت انگیز ترین لمحہ تھا کہ ایک نہتا لڑکا ان کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ انہیں اپنی طرف آتے دیکھتے ہی مخالف سمت میں دوڑ لگا دیتا، لیکن ہوا اس کے الٹ رہا تھا۔ وہ حیرت بھرے انداز میں اسے اپنی طرف آتے دیکھتے

رہے اور پھر جوں ہی وہ ان کے نزدیک پہنچا انہوں نے بھالے تان لیے۔ ساتھ ہی فاروق نے چیخ ماری۔ وہ بوکھلا گئے۔ انہوں نے دیکھا اژدہے کا بوڑھا ساتھی ریت پر پڑا تھا۔ وہ سمجھے کہ بوڑھا تو پہلے ہی بے دم ہے۔ اس تک تو وہ جب جی چاہے پہنچ سکتے ہیں۔ پہلے کیوں نہ اس سر پھرے لڑکے سے نبٹ لیا جائے۔ یہ سوچتے ہی وہ بھی اسی سمت میں مڑے اور فاروق کی طرف لپکے۔ فاروق نے اچانک ٹھوکر کھائی اور ریت پر لڑھکتا چلا گیا۔ دونوں اس کے سر پر پہنچ گئے۔ چت لیٹے اس نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا، پھر ان کے بھالے اوپر اٹھے۔ اس نے ڈرے ڈرے انداز میں چیخ ماری۔ دونوں نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا اور بھالے ایک ساتھ اٹھا کر اس کے سینے میں دے مارے۔ پروفیسر داؤد نے یہ منظر دور سے دیکھا اور دونوں آنکھیں بند کر کے رو پڑے۔ پھر فوراً آنکھیں کھولیں تو انہوں نے دیکھا دونوں بھالے ریت میں گڑے ہوئے تھے۔ فاروق نے نہایت اطمینان سے ایک عدد پلٹی کھائی تھی۔ چہرے پر مصنوعی خوف پیدا کر کے اس نے یہ ظاہر کیا تھا، جیسے وہ حد درجے خوف زدہ ہے اور اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا، لہٰذا انہوں نے بغیر کسی احتیاط کے بھالے دے مارے۔ دونوں بھالے ریت میں دھنستے چلے گئے۔ جتنی دیر میں وہ بھالے نکالتے، اتنی دیر میں فاروق اٹھ چکا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی مٹھیوں میں بھری ریت ان کی آنکھوں میں جھونک دی۔ وہ بلبلا اٹھے۔ ان کے ہاتھ بھالوں سے اٹھ کر اپنی آنکھوں سے جا لگے۔ فاروق نے فوراً ہی ایک بھالا ریت سے کھینچا اور ان میں سے ایک کے سینے میں اتار دیا۔ پھر فوراً ہی بھالا کھینچا اور دوسرے کی طرف مڑا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کی چیخ سن کر معاملے کو بھانپ لیا تھا، لہٰذا وہ آنکھوں کی تکلیف بھول کر بھالا ریت سے نکال چکا تھا۔ فاروق بھی ٹھٹک گیا۔ اور اس سے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے ایک چکر لگایا اور اس کی کمر پر پہنچ گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ریڈ

اژدہا بھی مڑا تھا۔ اس نے پل بھر کے لیے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا، پھر اسی وقت اس نے بھالا گھمانا شروع کر دیا۔ فاروق کو بھالے کی لڑائی کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ یہ تو خیر تھی کہ دشمن ابھی تک آنکھیں پوری طرح نہیں کھول پا رہا تھا۔ آخر اس نے پھر ایک چکر کاٹا اور اس کی کمر پر پہنچنے کی کوشش کی، لیکن دشمن بھی کم چالاک نہیں تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ اس کی کمر پر حملہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ چکر بھی کھا رہا تھا اور بھالا بھی گھما رہا تھا۔ تنگ آ کر فاروق نے پھر ایک مٹھی میں ریت بھری اور موقع پا کر اس کی آنکھوں کی طرف اچھال دی۔ عین اسی وقت اس نے آنکھیں کھولی تھیں، ریت ایک دم اس کی آنکھوں میں گری۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر فاروق نے ایک خطرہ مول لے ہی لیا۔ اس نے بھالے کو ہاتھ میں تولا۔ اور نیزہ بازوں کے انداز میں اس کی طرف دے مارا۔ دور رہ کر وہ صرف اسی طرح وار کر سکتا تھا۔

بھالا سیدھا گیا اور اس کی ہنسلی کی ہڈی کے پاس لگا۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا بھالا گر گیا اور وہ جسم میں پیوست بھالے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے گرتا چلا گیا۔ فاروق نے پھرتی دکھائی اور اس کے والا بھالا اٹھا لیا۔ دوسرے ہی لمحے بھالا اس کے سینے میں پورے زور سے لگا۔ وہ اچھلا اور گرا، پھر تڑپنے لگا۔ فاروق پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تڑپتے دیکھتا رہا۔ پروفیسر داؤد نے ابھی تک ریت سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آخر دشمن ساکت ہو گیا۔ فاروق نے بڑی مشکل سے دونوں بھالے اس کے جسم سے نکالے اور انہیں اٹھائے پروفیسر داؤد کی طرف بڑھا۔

"اٹھیے انکل، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی ہے۔"

"فاروق، میں تو تمہاری طرف سے مایوس ہو گیا تھا۔ اُف خدا، وہ منظر کس

قدر خوف ناک تھا، جب تم نیچے گر گئے تھے اور ان دونوں نے وحشیانہ قہقہہ لگا کر بھالے تمہارے جسم پر دے مارے تھے۔ میں اپنی آنکھیں کھلی نہیں رکھ سکا تھا۔"

"حالات ہی ایسے ہیں انکل، اس میں آپ کا کیا قصور۔ ان جنگلیوں سے لڑنے کا ہمیں تجربہ بھی تو نہیں ہے۔ ہمارے پاس دو چار پستول وغیرہ ہوتے تو اور بات تھی۔ خیر آئیے، اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

وہ وہاں سے چل پڑے۔ اچانک ایک طرف انہیں شور سنائی دیا۔

☆☆

محمود دوڑا جا رہا تھا کہ چار ریڈ انڈینوں نے اسے گھیر لیا۔ وہ اچانک ہی سامنے آ گئے تھے۔ محمود نے کنی کترا کر بھاگ جانا چاہا، لیکن فوراً ہی ادھر سے دو اور آتے نظر آئے۔ اب دشمن چھ ہو گئے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اس کے پاس سوائے ایک ننھے سے چاقو کے اور کچھ نہیں تھا۔ اگر وہ چاقو کسی ایک کے پھینک بھی مارتا تو ان میں سے صرف ایک کم ہو سکتا تھا، باقی پانچ سے وہ کس طرح مقابلہ کرتا۔ ایسے میں اسے کچھ اور تو نہ سوجھا، منہ سے الو کی آواز نکال بیٹھا اور ابھی دشمن ایک ایک قدم اٹھاتے اس کی طرف بڑھ ہی رہے تھے اور وہ ڈرے ڈرے انداز میں پیچھے ہٹ ہی رہے تھے کہ کوئی بلا کی رفتار سے دوڑتا ہوا اس کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔ اس کا رخ ان چھ کی طرف تھا۔ اس کے دوڑنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ جیسے بجلی چمک جائے۔ چھ کے چھ دشمن ابھی سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ وہ ان میں سے ایک کا بھالا اڑا لے گیا اور آگے نکل کر پلٹا اور پھر اس تیزی سے بھالا چلاتا ان کی طرف بڑھنے لگا کہ وہ چھ کے چھ بوکھلا اٹھے۔ شاید انہوں نے اتنی تیزی سے بھالا چلتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بجلیاں تڑپ رہی ہوں۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتے، چکراتا ہوا بھالا ان میں سے دو تین کی خبر لے گیا۔ آخر وہ بھالے سنبھال کر اس پر جھپٹ پڑے، لیکن اس کی

تیزی کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ ان میں سے دو کے بھالے تو ان کے ہاتھوں سے نکل کر کافی اونچے اڑے اور زمین پر گرے۔ محمود نے ان دونوں بھالوں کو اٹھانے میں دیر نہ لگائی اور خود بھی اپنے مددگار کی مدد کے لیے آگے بڑھا۔ اب اس نے دیکھا، وہ انسپکٹر کامران مرزا تھے۔ اس کا دل جوش سے بھر گیا۔ اس نے ایک بھالا تو دور پھینکا اور دوسرے کو بالکل انسپکٹر کامران مرزا کے انداز میں گھمانے لگا۔ جنگلی اسے نظر انداز کر چکے تھے۔ اس کی طرف سے بے فکر ہو چکے تھے، لیکن جب اس کے بھالے نے دو تین کی خبر لے ڈالی تو وہ بوکھلا کر مڑے۔ اس موقعے پر انسپکٹر کامران مرزا نے مزید فائدہ اٹھایا۔ ان کا بھالا ایک کو لے ڈوبا۔ وہ پھر بوکھلا کر ان کی طرف مڑے اور محمود کو ان سے بچنے کا موقع مل گیا۔ اس نے انسپکٹر کامران مرزا کے بھالا گھمانے کے انداز کو سمجھ لیا تھا اور اب وہ بھی بہت تیزی سے بھالا گھما رہا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن ان دونوں کے درمیان آ گیا۔ وہ بھالے گھمانے کے فن سے نا آشنا تھے۔ سیدھے رخ رکھ کر وار کرتے تھے، لیکن انسپکٹر کامران مرزا یا محمود کا بھالا ان کے بھالوں سے ٹکرا جاتا۔ انسپکٹر کامران مرزا اس وقت تک تین دشمنوں کو گرا چکے تھے اور باقی تین بھی زخمی تو ہو ہی چکے تھے۔ وہ بھی کب تک ٹکتے، آخر زمین پر آ رہے۔

"چلو محمود، ان کے بھالے سمیٹ لو۔ اب ہم ان بھالوں سے نیزہ بازی کا کام بھی لیں گے۔"

ابھی انہوں نے بھالے سنبھالے ہی تھے کہ ایک اور طرف سے الو کی آواز سنائی دی۔ دونوں اس سمت میں دوڑ پڑے۔

☆☆

فرحت اور آصف ایک ساتھ نکلے تھے، لیکن پھر سامنے سے آنے والے

جنگلیوں کو دیکھ کر وہ الگ الگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ بہت دور جا کر فرحت نے مڑ کر دیکھا تو ریڈ انڈینوں کو اپنے تعاقب میں پایا۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔ اچانک کوئی اس سے ٹکرایا۔ ٹکرانے والا دائیں طرف سے آیا تھا وہ دھڑام سے گر پڑی۔ ساتھ ہی ایک بھالا اس کے اوپر سے گزر گیا۔ اس نے دیکھا، اس سے ٹکرانے والی فرزانہ تھی۔ فرحت نے صاف محسوس کر لیا کہ اگر وہ اس سے نہ ٹکرائی ہوتی تو بھالا اس کے جسم کے پار ہو گیا تھا۔ فرزانہ اس سے ٹکرا کر خود بھی گر گئی تھی۔ فوراً ہی دونوں اٹھیں۔

"شکریہ فرزانہ۔" فرحت بولی۔

"کیسا شکریہ۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تم نے میری جان بچائی۔"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ میرے پیچھے دو ریڈ انڈین تھے۔ میں ان سے بچنے کے لیے بے تحاشا دوڑ رہی تھی کہ تم سے ٹکرا گئی۔ وہ بھالا تو دراصل مجھ پر ہی پھینکا گیا تھا۔ اگر میں تم سے نہ ٹکراتی تو بھالا میرے جسم میں اتر چکا تھا۔"

"چلو خیر، جو بھی ہوا، خوب ہوا۔"

"لیکن اب ہم ان کا کیا کریں، یہ تو بہت سے ہیں۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔ اب ان کی طرف کم از کم آٹھ تو جنگلی بڑھ رہے تھے۔

"دوڑ لگاتے ہیں۔" فرحت بولی۔

"ٹھیک ہے، اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

اور دونوں سرپٹ دوڑنے لگیں۔ جنگلی شور مچاتے ان کے پیچھے بھاگے۔

ایسے میں فرزانہ کو الو کی آواز کا خیال آ گیا۔ بے ساختہ اس کے حلق سے الو کی آواز نکل گئی، کیونکہ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بھاگ بھاگ کر زیادہ دیر ان لوگوں سے

محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ اچانک ہی انہوں نے اپنے دو ساتھیوں کو سامنے سے آتے دیکھا۔ یہ انسپکٹر کامران مرزا اور محمود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھالے بھی تھے۔ انہیں دیکھ کر فرزانہ اور فرحت کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ فوراً ہی دو بھالے جنگلیوں پر پھینک کر مارے گئے۔ دو چیخیں بلند ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ان کے نزدیک آ گئے۔

"تم بھی ایک بھالا پکڑ لو اور ہماری نقل کرنا شروع کر دو۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"نقل تو ہم نے کبھی بھی کسی کی نہیں کی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"چلو خیر، ہماری ترکیب پر عمل شروع کر دو۔ یہ وقت باتوں میں الجھنے کا نہیں ہے۔" محمود نے برا سا منہ بنایا اور پھر ان دونوں نے بھالے پوری تیزی سے گھمانے شروع کر دیے۔ فرزانہ اور فرحت چند سیکنڈ تک انہیں گھماتے دیکھتی رہیں، پھر خود بھی بھالے گھمانے لگیں، جنگلی اس وقت تک ان کے بہت نزدیک آ گئے تھے۔ آخر بھالوں سے بھالے ٹکرانے لگے۔

☆☆

آفتاب بھاگتے بھاگتے بہت دور نکل گیا تھا۔ اس کے پیچھے کوئی جنگلی نہیں آ سکا تھا۔ یا تو اسے کوئی نکلتے نہیں دیکھ سکا تھا، یا دیکھنے کے باوجود کسی کو اس کے پیچھے آنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ رک گیا۔ اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا، میدان دور دور تک صاف نظر آ رہا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ، کوئی ایک آدھ تو میرے پیچھے بھی آیا ہوتا۔ اب میں کیا کروں۔" وہ بڑبڑایا۔

"ہش۔" اس کے پیچھے سے کسی نے تڑ سے کہا۔

وہ فوراً پلٹا اور ادھر چک کر بولا۔

"ارے انکل خان رحمان، یہ آپ ہیں؟"

"نہیں، شاید میرا فرشتہ تم سے باتیں کر رہا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"کیا آپ کو بھی کوئی جنگلی نہیں ٹکرا۔"

"نہیں، میرے ایسے نصیب کہاں؟" انہوں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تو پھر آیئے، ہم خود ہی ان کی طرف چلتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ کیا خبر ہمارے ساتھی کن حالات سے دوچار ہوں۔ ہو سکتا ہے، انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہو۔" انہوں نے کہا اور واپس چل کھڑے ہوئے۔ ایک جگہ انہیں کئی جنگلیوں کی لاشیں ملیں۔ دو تین بھالے بھی پڑے تھے۔ یہ انہوں نے اٹھا لیے۔ کچھ اور آگے بڑھے تو شور کی آواز سنائی دی۔ یہ بہت سے جنگلیوں کا شور تھا۔ انہوں نے رفتار تیز کر دی۔ نزدیک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ انسپکٹر کامران مرزا، محمود، فرحت اور فرزانہ چاروں بھالے چلا رہے تھے اور جنگلی ان پر چاروں طرف سے حملے کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے بھی اپنے بھالے ہاتھوں میں تول لیے اور پھر نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے بے جگری سے جنگلیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان چاروں نے بھی نعرۂ تکبیر کا پر جوش انداز میں جواب دیا۔

"اللہ اکبر۔"

خان رحمان اور آفتاب کی مدد نے ان میں اور حوصلہ پیدا کر دیا اور وہ پہلے سے بھی پُرجوش ہو کر لڑنے لگے۔ نعرے کی تکرار نے پرانے زمانے کی یاد تازہ کرا دی، جب مٹھی بھر مسلمان کفار سے جنگ کر رہے ہوتے تھے اور کسی سمت سے مسلمانوں کا ایک دستہ ان کی مدد کے لیے اچانک نمودار ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا کرتا تھا۔ مٹھی بھر گھرے ہوئے مسلمان اس نعرے کا فلک شگاف جواب دیا کرتے تھے۔ اور دشمن پر بڑا بھرپور

حملہ شروع کر دیتے تھے۔ آج ابھی کچھ ایسا ہی منظر تھا۔ جنگ ہر لمحے شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

☆☆

انسپکٹر جمشید نے تینوں جنگلیوں کے وار کو اپنے بھالے پر روکا۔ اور پھر ایک جھکائی دے کر انہیں منہ کے بل گرنے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے ان کا بھالا ایک کی کمر میں اتر چکا تھا۔ اتنے میں دوسرے دو سنبھل گئے۔ انسپکٹر جمشید ابھی پہلے کی کمر سے بھالا نکال نہیں پائے تھے کہ انہوں نے ایک ساتھ اپنے بھالے ان کے سینے پر دے مارے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ترچھے ہو گئے اور بھالے ان سے صرف آدھ انچ کے فاصلے سے آگے نکل گئے۔ دونوں جنگلی اپنی جھونک میں آگے بڑھ گئے، لیکن فوراً ہی پلٹے۔ اسی وقت ایک چیخ مار کر گرا۔ انہوں نے دیکھا، اس کی کمر میں بھالا پیوست تھا۔ تیسرے جنگلی اور انہوں نے حیران ہو کر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر آصف کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے بھالا دوسرے جنگلی کی کمر پر دے مارا تھا۔ بھالا اس نے پہلے جنگلی کا اٹھایا تھا

"بہت خوب آصف، میں تو تمہیں بلاوجہ ہی روک رہا تھا۔ تم تو محمود، فاروق اور فرزانہ سے کسی طرح کم نہیں ہو۔" یہ کہہ کر انہوں نے تیسرے جنگلی پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ وہ پہلے ہی اپنے دو ساتھیوں کی لاشیں دیکھ کر گھبرایا ہوا تھا۔ زیادہ دیر تک نہ سکا۔

"چلو اب دونوں بھالے اٹھا لو، کام آئیں گے۔"

اسی وقت انہوں نے الو کی آواز سُنی، وہ چونکے اور پھر آواز کی سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر وہ وہاں پہنچ گئے، جہاں خون آشام جنگ لڑی جا رہی تھی۔ انہوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور جنگلیوں کی طرف جھپٹے۔ ان کے ساتھیوں نے ان

کے نعرے کا جواب پُرجوش انداز میں دیا اور پھر ان کے سینے خوشی سے بھر گئے۔ انسپکٹر جمشید کی آمد نے ان کی طاقت میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ اس ساری بھاگ دوڑ کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ جنگلی سارے میدان میں ادھر ادھر انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ ان کی طاقت کئی حصوں میں بٹ گئی تھی اور وہ بھالے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ ان کے دو اور ساتھی دوڑ کر آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی بھالے تھے۔ انہوں نے دیکھا، یہ فاروق اور پروفیسر داؤد تھے۔ اب وہ ایک بار پھر سب ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ جب کہ ان کے دشمن اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھتے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگے پھر رہے تھے، جن جنگلیوں نے اس وقت انہیں گھیر رکھا تھا، ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ وہ ان سے بخوبی نبٹ سکتے تھے، لیکن یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ کسی وقت بھی جنگلی ادھر کا رخ کر سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر خان رحمان نے بلند آواز میں کہا:

"ساتھیو، جس قدر جلد ممکن ہو، ان سب کا صفایا کر دو تاکہ ہم ٹکڑی کی صورت میں ان کے ساتھیوں کو تلاش کر کر کے انہیں ٹھکانے لگانے کا کام کر سکیں۔"

ان کے الفاظ نے ان میں اور بھی جوش بھر دیا۔ ان کے ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے چلنے لگے اور صرف آدھ گھنٹے میں میدان صاف تھا۔ انہوں نے سب بھالے جمع کر لیے اور وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

"اب آئے گا مزا۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ کیسے انکل؟"

"اب ہماری مڈبھیڑ مختلف جگہوں پر ان جنگلیوں سے ہو گی، لیکن وہ زیادہ تعداد میں کہیں بھی نہیں ملیں گے۔ اب ہمارے پاس بھالے بھی ہیں، لہٰذا خوب مقابلہ ہو گا۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔ ارے باپ رے۔" فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اگر انکل کی بات ٹھیک ہے تو اس میں ارے باپ رے کہاں سے آ ٹپکا۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کہیں سے ٹپک پڑا، بھی منہ سے نکلا ہے نا۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا، لیکن کہیں جنگلیوں کی کوئی پارٹی آتی دکھائی نہ دی۔ ان کی نظریں پھر فاروق کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں خوف کے سائے تیر رہے تھے۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔ تمہارے خوف زدہ ہونے کی وجہ ہمیں تو دور دور تک نظر نہیں آ رہی۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"دور دور تک نظر آ بھی کیسے سکتی ہے، جب کہ وجہ میرے اندر ہے۔" فاروق نے بے چارگی کے انداز میں مسکرا کر کہا۔

"تمہارے اندر، اور وجہ۔ یہ کیا بات ہوئی؟" خان رحمان ہنسے۔

"جی ہاں، بہت بڑی وجہ میرے اندر کلبلا رہی ہے۔" فاروق کا لہجہ اب پُراسرار ہو گیا۔

"یا اللہ رحم، فاروق، تم تو حد درجے سنسنی پھیلا رہے ہو۔"

"حالانکہ بات صرف یہ ہے کہ اسے شدید بھوک نے گھیر لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ، ابا جان، آپ نے تو جان لیا، کمال ہے۔"

"جان کیسے نہ لوں۔ شدید بھوک کے وقت میں نے تمہارے چہرے پر

اسی قسم کے تاثرات پہلے بھی دیکھے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"بھوک کی وجہ سے پریشان ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن خوف زدہ ہونے والی کون سی بات ہے۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں خوف زدہ اس لیے ہوں کہ کہیں بھوک اس حد تک شدت اختیار نہ کرے کہ ہمیں بھی رنگ کالا کرنے والی گولیاں کھانا پڑیں۔ ایسا ہوا تو کیا ہوگا۔" فاروق نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔ وہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"ہونا کیا ہے۔ تمہارا رنگ بھی ہم جیسا ہو جائے گا۔" آصف نے کہا۔

"لیکن میں تمہارے رنگ میں رنگا جانا پسند نہیں کرتا۔"

"تو پھر مرو بھوکے۔" فرحت نے جھلا کر کہا۔

"نیک مشورہ ہے، اب یہی کرنا ہوگا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"بھئی سچ بات تو یہ ہے کہ فاروق کی بھوک نے میری بھوک بھی چمکا دی ہے۔" پروفیسر داؤد پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

"اور خود مجھے بھی بھوک لگ گئی ہے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"تب پھر آدھی آدھی گولی آپ لوگ بھی کھا لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مشورہ دیا۔

"ارے باپ رے، کہیں اسی ترکیب کے نتائج خوف ناک نہ نکلیں۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ کہیں ہم آدھے کالے اور آدھے سفید نہ بن جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"تو یوں کہو نا، آدھا تیتر آدھا بٹیر نہ بن جائیں۔" فرحت بولی۔

"تیتر اور بٹیر ہو گی تم خود۔" فاروق نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں ہاتھ نچایا۔

"وہ مارا۔" فرزانہ نے زور سے چٹکی بجائی۔

"لیجیے صاحبان، فرزانہ نے ایک عدد ترکیب مار لی ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ ترکیب مارنا ہم نے آج ہی سنا ہے، سوچ لی کہنا چاہیے تھا۔" آصف نے اعتراض کیا۔

"اردو ہماری اپنی زبان ہے، کسی کے باپ کی جاگیر نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی، پہلے فرزانہ کی ترکیب تو سن لو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے تنگ آ کر کہا۔

"چلیے پہلے ترکیب سن لیتے ہیں۔ ہاں تو فرزانہ، ترکیب اُگل ڈالو۔" آفتاب بولا۔

"یہ جنگلی یا ریڈ انڈین، جو کچھ بھی یہ ہیں، آخر یہیں کہیں رہتے ہیں، آسمان سے تو ٹپک نہیں پڑے ہوں گے۔ اگر ہم ان کی بستی تک پہنچ جائیں تو شاید کچھ کھانے پینے کے لیے حاصل کر سکیں۔" فرزانہ نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"بات تو قدرے دل کو لگتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

"اس سے تو وہ وادی ہی بہتر تھی۔ کم از کم اس میں پانی تو تھا۔ پرندوں کا گوشت تو مل جاتا تھا۔" پروفیسر داؤد نے جلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کون سی وادی؟" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"یہاں سے پہلے ہمیں عمودی پہاڑوں کے درمیان گہری ایک وادی میں

قید رکھا گیا تھا۔'' انہوں نے بتایا۔

''اوہ، تو آپ لوگ وہاں قید تھے؟''

''کیا مطلب، کیا آپ اس وادی کو دیکھ چکے ہیں؟''

''ہاں، وہ اس طرف ہے، اور اس کا مطلب ہے، یہ جنگلی ضرور اس طرف رہتے ہوں گے۔'' انہوں نے پہاڑوں کے مخالف سمت میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آیئے چلیں۔ دیکھا جائے گا۔''

وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے۔ بھالے اٹھائے اس سمت میں روانہ ہو گئے۔ ان کے قدم کافی تیز اٹھ رہے تھے۔ راستے میں جگہ جگہ انہیں جنگلیوں کی لاشیں پڑی ملیں۔ انہوں نے بہت سوں کو ٹھکانے لگایا تھا۔ خود وہ سب بھی کسی نہ کسی حد تک زخمی ہوئے تھے۔ لیکن ایسے میں زخموں کی کون پروا کرتا ہے ابھی جنگلیوں کا خطرہ سر پر تھا اور اوپر سے وہ بھوکے پیاسے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچوں کو البتہ ابھی تک بھوک محسوس نہیں ہوئی تھی۔

''حیرت ہے، یہ جنگلی یکایک کہاں غائب ہو گئے۔ خان رحمان بولے۔

''ایسا لگتا ہے، جیسے انہیں زمین نگل گئی ہے یا آسمان کھا گیا ہے۔'' فاروق ... نے کہا۔

''تو پھر زمین یا آسمان نے ان کی لاشیں کیوں نہ کھائیں۔'' آفتاب نے ... اسامنہ بنایا۔

''دھت تیرے کی۔ پھر شروع ہو گئے تم دونوں۔'' محمود بولا۔

''اب کیا کریں، راستہ بھی تو طے کرنا ہے۔''

''کمال ہے، جنگلی تو واقعی غائب ہو گئے ہیں۔ انسپکٹر جمشید کے لہجے میں ... تھی۔

''کہیں ان کی یہ کوئی چال نہ ہو۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے......''

فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہنا شروع کیا ہی تھا کہ آفتاب بول پڑا۔

''جیسے ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہوں۔''

''یار، کبھی تو کسی کو پوری بات کر لینے دیا کرو۔'' آصف جھلا اٹھا۔

''سوری، میں خود اس زبان کے ہاتھوں تنگ آ گیا ہوں۔''

''یار میرا بھی یہی حال ہے۔ آؤ ہم اپنی زبانیں آپس میں تبدیل کر لیں۔'' فاروق نے چہکا۔

''پھر تو یہ لوگ ہمیں ضرور ہی جینے دیں گے۔'' آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

''فرزانہ، یہ خاموش نہیں ہوں گے، تم اپنی بات مکمل کرو۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہمیں ہمارے اغوا کرنے والوں نے جان بوجھ کر ان جنگلیوں سے لڑوایا ہے۔ دیکھیے نا، ہم اس وادی میں تھے، آپ اس میدان میں۔ ہمیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے وادی سے نکلوا کر اس میدان میں چھوڑا گیا۔ ہم آپس میں لڑتے لڑتے صاف بچے۔ پھر جنگلی ہم پر آ ٹوٹے۔ میں تو یہ تک کہہ سکتی ہوں کہ یہ ریڈ انڈین نہیں تھے۔ ریڈ انڈینوں کے میک اپ میں ہمارے اغوا کرنے والوں کے ساتھی تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارا پلہ تو بھاری پڑ رہا ہے، تو وہ بھاگ نکلے۔ جانیں بچانے کے لئے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ اور چونکہ وہ نقلی ریڈ انڈین تھے، اس لیے بھالوں کی لڑائی کے ماہر بھی نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر مقام پر ان سے کامیاب مقابلہ کیا۔'' فرزانہ کہتی چلی گئی۔

اس کی بات نے سب کو سوچ میں مبتلا کر دیا۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"میں فرزانہ کے خیال کی تائید کرنے پر مجبور ہوں۔"

"اور میں بھی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا: "اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ وادی کے اس سرے پر ہمیں جنگلیوں کی کوئی بستی نہیں ملے گی۔"

"بستی ملے نہ ملے، ان لوگوں کا ہیڈ کوارٹر ضرور ہوگا، جنہوں نے ہمیں اغوا کرایا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اوہ۔"

ان سب کے منہ سے پرجوش انداز میں نکلا اور ان کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔ وہ جلد از جلد دشمن کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچ جانا چاہتے تھے۔ اس کیس میں پہلی بار یہ امید بندھی تھی کہ دشمن سے آمنا سامنا ہو جائے گا۔ اس وقت تک تو وہ اس کے اشاروں پر ہی ناچتے رہے تھے۔

☆☆☆

شیشے کی عمارت

تقریباً تین گھنٹے تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد انہیں جنگلیوں کی کوئی بستی تو نظر نہیں آئی، البتہ ایک شیشے کی بنی عمارت ضرور دکھائی دی۔ پوری کی پوری عمارت شیشے کی تھی اور چاند کی روشنی میں حد درجے عجیب لگ رہی تھی۔

"شیشے کا گھر۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"فاروق کا کام ہے، بس نئے نئے، نام تجویز کرتے رہنا۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن انکل، دن میں اس شیشے کے گھر کا کیا حال ہوتا ہوگا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تمہارا مطلب سورج کی کرنوں سے ہے؟" پروفیسر داؤد نے پوچھا۔

"جی ہاں انکل، سورج کی شعاعیں تو اندر قیامت مچا دیتی ہوں گی۔"

"نہیں، اس وقت شو گرا دیے جاتے ہوں گے، یا کوئی اور انتظام کیا گیا ہوگا۔"

"تو کیا یہی ہمارے اس بار کے پراسرار مجرم کا پراسرار ہیڈ کوارٹر ہے اور ہمیں اس کے اندر داخل ہو کر اس سے دو دو ہاتھ کرنے ہیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''شاید یہی بات ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''چلو خیر، کچھ تو ہوا۔ کچھ پتا تو چلے گا کہ یہ حضرت چاہتے کیا ہیں۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارا یہاں تک پہنچنا بھی اس کے پروگرام میں شامل ہے۔'' انسپکٹر جمشید کا لہجہ فکرمندانہ تھا۔

''بالکل یہی بات ہے۔ مجرم ابھی تک ہمیں انگلیوں پر نچا رہا ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔

''میرا خیال ہے، اس کیس کے اختتام تک ہم اگر زندہ رہے تو ضرور اچھا خاصا ناچنا جان جائیں گے۔'' فاروق نے جھلا کر کہا اور دوسرے ہنسنے لگے۔

''چلو اچھا ہے، علم میں اضافہ ہی ہوگا۔'' آفتاب نے کہا۔

''تو یہ ناچنا گانا وغیرہ بھی علم ہے؟'' محمود اس کی طرف پلٹا۔

''کاٹ کھانے کو کیوں دوڑتے ہو، نہیں ہوگا علم۔'' آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

''میرے منہ نہ لگنا، تم تو بس فاروق سے ہی باتیں کیا کرو۔''

''کیوں، تم مجھ سے بات کرتے گھبراتے ہو کیا؟'' آفتاب ہنسا۔

''گھبراتا ہے میرا جوتا۔'' محمود نے بھنا کر کہا۔

''لو فرزانہ، تمہاری جوتی کو دیکھ کر محمود کے جوتے نے بھی رنگ پکڑ لیا ہے۔'' فاروق خوش ہو کر بولا۔

''یہ تم لوگوں کے جوتے ہیں یا گرگٹ۔ جو اتنی جلدی رنگ بدل لیتے ہیں۔'' آفتاب نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

''مائی ڈیئر آفتاب، رنگ پکڑنے اور رنگ بدلنے میں فرق ہے، معلوم ہوتا

ہے، تمہاری اردو کچھ زیادہ ہی کمزور ہے۔ بہتر ہوگا کہ مجھ سے ٹیوشن پڑھ لیا کرو۔'' محمود نے شوخ لہجے میں کہا۔

''مشورہ نیک ہے، فرصت ملی تو شاگردی ضرور اختیار کروں گا، لیکن شاید تمہیں میری شاگردی بہت مہنگی پڑے گی۔'' آفتاب نے بھی شوخ انداز میں کہا۔

''کوئی بات نہیں، محمود کی عادت ہے، ہمیشہ مہنگی چیزیں خریدتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے۔ بزرگوں نے بالکل درست کہا ہے، مہنگا روئے بار بار، سستا روئے ایک بار۔'' فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

''اگر بزرگوں نے یہ کہا ہے تو جھک ماری ہے۔'' فاروق بولا: ''کیونکہ آج تو مہنگا بھی بار بار روتا ہے اور سستا بھی۔ ان کے زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہوگا۔''

''ہائیں، تم ہمارے بزرگوں کو جھکی کہہ رہے ہو۔'' آصف نے آنکھیں نکالیں۔

''فرزانہ کے جملے پر غور کرو۔ انگارے چبانے سے یہ کہیں بہتر ہوگا، تمہارے حق میں۔'' فاروق بھی سیخ پا ہو کر بولا۔

''اوہ، لاحول ولا قوۃ۔'' اس نے شرمندہ ہو کر کہا۔

''کیا میں کچھ غلط کہہ گئی ہوں۔'' فرزانہ چونک کر بولی۔

''نہیں، غلط کہنے کے لئے ہم کیا کم ہیں۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''بھئی، اب تو ہم اس عمارت کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔ اب تو جھگڑنا بند کردو۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے عاجز آ کر کہا۔

''آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا کہ ہم اس عمارت کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔'' فاروق نے چہک کر کہا۔

''پہنچے ہی اب ہیں تو پہلے کس طرح بتاتا۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے بھی

ہمیں بتائیں۔

"لیجیے اب آپ بھی ہم میں شامل ہو گئے۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"اور میں تم میں شامل کب نہیں تھا؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تو بھئی جمشید، انہوں نے تو کامران مرزا کو بھی باتوں میں الجھا لیا۔ اب تمہارا ہی خدا حافظ ہے۔"

"وہ تو ہمیشہ سے ہے پروفیسر صاحب۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" خان رحمان فوراً بولے۔

"دروازے پر کوئی اطلاعی گھنٹی کا بٹن تو نظر نہیں آ رہا۔ اب کیا کریں۔" انسپکٹر جمشید نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ دروازے پر دستک دینے سے یہ ٹوٹ جائے گا۔ اتنے نازک شیشے تو انہوں نے نہیں لگائے ہوں گے۔" فرحت نے بہت دیر بعد زبان کھولی۔

"خدا کا شکر ہے، فرحت کی بھی آواز سنائی دی۔ میں تو سمجھا تھا، یہ تو گئی زبان سے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"گئی کام سے کہنا چاہیے۔ آج تو محاوروں کی خوب ٹانگیں توڑی جا رہی ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"لیکن میرے خیال میں یہاں گئی زبان سے زیادہ مناسب ہے۔ کیوں ابا جان آپ کا کیا خیال ہے؟"

"اگر ہم یہاں کھڑے باتیں ہی کرتے رہے تو شاید کام سے بھی جائیں گے اور زبان سے بھی۔" انہوں نے غرا کر کہا اور وہ اس طرح سہم گئے جیسے کسی جن یا بھوت کو دیکھ لیا ہو۔

پھر جونہی انسپکٹر جمشید نے شیشے کی چوکھٹ پر قدم رکھا، شیشے کا دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا اور ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"خوش آمدید۔ مہمانو!"

☆☆

انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھے، کیونکہ وہ اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ ابھی تک انہیں کوئی آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔ دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی انہیں دائیں بائیں دو برآمدے نظر آئے۔ سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ اس وقت انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا سب سے آگے تھے۔ وہ دائیں بائیں مڑنے کی بجائے سامنے والے دروازے کی طرف بڑھے۔ فاروق کو ایسے میں نہ جانے کیا سوجھی کہ آفتاب کا ہاتھ پکڑا اور برآمدے کی طرف مڑ گیا:

"ارے ارے۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔" آفتاب نے بوکھلا کر سرگوشی کی۔

"یار، سب کے ساتھ چلنے کی بجائے ہم الگ کیوں نہ چلیں۔" فاروق نے کہا۔

"بات تو دلچسپ ہے، لیکن اگر ہم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو۔"

"تو کیا ہے، کیا پہلے ہی مصیبت میں نہیں پھنسے ہوئے۔ یوں بھی مصیبتوں میں پھنسنا تو ہمارا روز کا معمول ہے، بلکہ یوں کہو، مصیبتیں تو ہم خود مول لیتے رہتے ہیں۔" فاروق نے دبی آواز میں جلدی جلدی کہا۔

"اچھا، اب مصیبت کا پیچھا چھوڑو، اور یہ تم نے میرا ہاتھ اس قدر مضبوطی سے کیوں پکڑ رکھا ہے۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"تمہارا کیا بھروسا، مجھے تنہا چھوڑ کر ان لوگوں سے جا ملو۔"

"اگر میرا بھروسا نہیں تھا تو آصف یا فرحت کو کھینچ لاتے، یا پھر محمود اور

فرزانہ میں سے کسی کو ساتھ لے آئے ہوتے۔" اس نے جل کر کہا۔

"ان کا بھروسا تم سے بھی کم ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"لو اب بھروسے کے پیچھے پڑ گئے۔"

"یار شکر کرو، میں تمہارے پیچھے نہیں پڑ رہا۔ اگر ایسا ہوا تو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔"

"وہ تو بے چارے پہلے ہی نظر آ رہے ہیں۔" آفتاب نے اوپر دیکھا۔

"یہ تارے بے چارے کب سے ہو گئے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"جب سے تم نے انہیں لوگوں کو دن میں دکھانا شروع کیا ہے۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

اسی وقت فاروق نے مڑ کر دیکھا، سب لوگ دوسرے دروازے میں داخل ہو چکے تھے۔ دروازہ خود بخود بند ہو چکا تھا۔ اور بیرونی دروازہ تو اسی وقت بند ہو گیا تھا جب وہ اندر داخل ہوئے تھے۔

"لو بھئی، وہ سب ایک طرف ہو گئے، ہم دونوں ایک طرف۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"اب آئے گا مزا۔"

"کیا خاک مزا آئے گا۔" اس نے منہ بنایا۔

دونوں برآمدے میں آگے بڑھنے لگے۔ دونوں طرف انہیں کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ برآمدہ تھا کہ کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"یار، یہ برآمدہ کہیں طلسمی برآمدہ تو نہیں۔" آفتاب بولا۔

"مجھے تو یہ پوری عمارت ہی طلسمی نظر آ رہی ہے۔"

"اچھا تو پھر خدا کے لیے پیچھے مڑ کر نہ دیکھ لینا۔"

"تم ڈر رہے ہو کہ میں کہیں پتھر کا نہ ہو جاؤں۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"ڈر میں اس لیے رہا ہوں کہ اگر تم پتھر کے بن گئے، میں تمہیں کہاں تک اٹھائے پھروں گا۔" آفتاب مسکرایا۔

"تم تکلیف نہ کرنا، میرے ابا جان اور بھائی بہن خود ہی میرے مدد کو پہنچ جائیں گے۔"

"اچھا بس۔ سامنے دیکھو، وہ ہمیں گھور رہا ہے۔"

"کون گھور رہا ہے، کس کی مجال ہے کہ ہمیں گھورے اور وہ بھی شیشے کی اس عمارت میں۔ ہم اس کی آنکھیں نہیں نکال لیں گے۔"

"آنکھیں بعد میں نکال لینا۔ پہلے اس سے آنکھیں ملاؤ۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

فاروق نے ایک دم سامنے دیکھا، لمبے قد کا ایک آدمی برآمدے کے آخر میں نظر آنے والے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں چمکیلی ہوئی تھیں اور انگارہ سی آنکھیں ان پر جمی تھیں۔

"اس سے آنکھیں ملانا تو واقعی بہت مشکل کام ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"آؤ واپس پلٹ چلیں اور اسی دروازے میں داخل ہو جائیں، جس میں سب داخل ہوئے ہیں۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"اب کیا فائدہ، جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔"

"اچھا تو پھر آؤ، دیکھا جائے گا۔"

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس نے اب بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی، نہ منہ سے کچھ بولا۔

"یہ تو شاید گونگا ہے۔" آفتاب بولا۔ فوراً ہی اس کے سر پر ایک بھرپور ہاتھ پڑا اور وہ شیشے کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

فاروق حیران ہو کر اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ پر موجود تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ اگر وہ اپنی جگہ سے ہلا تک بھی نہیں تھا، تو پھر اس نے آفتاب کے سر پر مکا کیسے دے مارا تھا۔ اسے یاد آیا، آفتاب نے اسے گونگا کہہ دیا تھا۔ اس نے سوچا تجربہ کر کے دیکھنا چاہیے، لیکن مکا کھانے کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھا، چنانچہ اس نے پوری طرح چوکس رہتے ہوئے کہا:

"ارے بھئی، تم تو سچ مچ کے گونگے معلوم ہوتے ہو۔"

ساتھ ہی اس آدمی کا ہاتھ حرکت میں آیا، فاروق ہوشیار تھا۔ فوراً نیچے بیٹھ گیا۔ اس کا ہاتھ اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔ اس دوران فاروق بغور اس کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس نے آفتاب کو اٹھایا، وہ ہوش میں تھا، لیکن کافی تکلیف میں نظر آ رہا تھا۔

"یار، یہ تو مجھے مشینی آدمی نظر آتا ہے، ویسے ہے بہت شریف، اب تم اسے گونگا کہنے کی حماقت نہ کرنا۔" فاروق نے یہ الفاظ بھی ڈرے ڈرے انداز میں کہے۔ اس دوران اس کی نظریں اس آدمی پر جمی رہیں۔

"مشینی آدمی۔" آفتاب کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں، اس کا ہاتھ بالکل غیر فطری انداز میں حرکت میں آتا ہے۔" وہ

"لیکن اب ہم کیا کریں؟" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"آؤ واپس چلیں۔ یہ ہمیں اس دروازے سے داخل نہیں ہونے دے

"تو کیوں نہ پہلے ہم اس سے درخواست کر دیکھیں۔" یہ کہہ کر آفتاب

مشینی آدمی سے مخاطب ہوا:

"اچھے مشینی آدمی، ہم یہاں مہمان ہیں، ہمیں اندر داخل ہونے دو۔"

دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔

مشینی آدمی ایک دم ادب سے جھکا۔ اس کا ایک ہاتھ سینے سے جا لگا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے انہیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھے۔ مشینی آدمی کو زبردستی مسکرا کر دیکھا، وہ بھی جواب میں مسکرایا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی مسٹر مشینی آدمی۔ ہمیں معاف کر دیجیے، ہم آپ کو غلط سمجھے تھے۔"

"غلط تو تم اب بھی سمجھ رہے ہو، میں مشینی آدمی نہیں ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب، لیکن آپ کے حرکت کرنے کا انداز تو بالکل مشینی ہے۔"

"ہاں، میں مشینی انداز میں حرکت کرنے کا ماہر ہوں۔ آپ دونوں اندر جا سکتے ہیں۔"

"کیا ہم اس راستے سے داخل ہو کر بھی اپنے ساتھیوں سے جا ملیں گے۔"

"یہ باس کی مرضی کی بات ہے۔ یہاں ہر آدمی اس کے اشاروں پر ناچتا ہے، حالانکہ یہ عمارت بھی۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟ عمارت بھی اس کے اشاروں پر ناچتی ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، ہر چیز، چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان۔"

"کمال ہے۔ اچھا اب تو آپ ہمیں نہیں ماریں گے۔" آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"نہیں، وہ تو تم نے مجھے گونگا کہا تھا، اس لیے مار بیٹھا تھا۔ ورنہ میں جانتا ہوں، تم لوگ مہمان ہو۔" یہ کہہ کر وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا، اس کمرے میں بہت سے جنگلی پڑے سو رہے تھے۔ وہ سب کے سب فرش پر بے سدھ پڑے تھے۔

"ارے، یہ وہی جنگلی ہیں، جن سے ہماری جنگ ہوئی تھی۔" آفتاب کے منہ سے حیرت بھرے انداز میں نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ یہ میدان سے واپس آتے ہی سو گئے ہیں، لیکن یار، یہ کیسے شیشے ہیں۔ باہر سے تو یہ لوگ نظر نہیں آئے تھے۔"

"یہ شاید ایک طرف سے اندھے شیشے ہیں۔"

"ہوں، ضرور یہی بات ہے۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ہم نے اس طرف آکر غلطی کی ہے۔ ہمیں سب کے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا۔"

"اب احساس کر کے کیا فائدہ۔ اب تو ہمیں آگے چلنا چاہیے۔ ان کی آنکھ کھل گئی تو کہیں یہ ہماری تکہ بوٹی نہ کر دیں۔"

دونوں آگے بڑھے۔ کمرے کے سامنے والی دیوار میں بھی انہیں ایک دروازہ نظر آیا تھا۔ جوں ہی وہ اس کے نزدیک پہنچے، دروازہ کھل گیا۔

"بھئی، ان دروازوں کو تو کھل جا سم سم کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں واقعی، بہت اچھے اور پیارے ہیں، یہاں سے واپسی پر ساتھ لیتے جائیں گے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا لیتے جائیں گے۔" آفتاب بھنا اٹھا۔

"یہی دروازے، اور کیا۔ تم انہی کے بارے میں کہہ رہے تھے۔" فاروق

مسکرایا۔

"ہاں، کہہ تو رہا تھا۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے دروازے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے میں بھی جنگلی سو رہے تھے۔

"یار، کیوں نہ یہ دیکھ لیں کہ آیا یہ واقعی جنگلی ہیں یا مصنوعی جنگلی۔"

"ہاں، ٹھیک ہے، ٹھہرو، میں ان میں سے ایک کی مونچھ اکھاڑ کر دیکھتا ہوں۔" آفتاب نے جھکتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو ٹھہرو، یہ کوشش نہ کرو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں۔" آفتاب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کام میں کروں گا۔"

"کیا تمہارے خیال میں مجھے مونچھ کھینچنے کا طریقہ بھی نہیں آتا ہو گا۔" آفتاب نے تلملا کر کہا۔

"یار، یہ بات نہیں۔ ابھی ابھی تو چوٹ کھا کر فارغ ہوئے ہو، کہیں دوسری مرتبہ مار نہ کھا لینا۔ میں تمہاری لاش کو کہاں کہاں اٹھائے پھروں گا۔ ان میں سے کسی کی مونچھ میں اکھاڑ کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر فاروق جھکا اور اس نے ایک کی مونچھ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ فوراً ہی جنگلی کی آنکھ کھل گئی۔ پھر جوں ہی اس کی نظر ان دونوں پر پڑی، اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔ اس کی چیخ کمرے میں ہولناک انداز میں گونجی اور پھر وہ سب کے سب اٹھ کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنے ہاتھ پھیلائے ان کیطرف بڑھے، جیسے گلا دبوچ کر مار ڈالنا چاہتے ہوں۔ فاروق اور آفتاب بوکھلا کر پیچھے ہٹے اور دیوار سے جا لگے۔ اچانک ایک آواز ابھری۔ وہی آواز جو انہوں نے پہلی بار اندر داخل ہونے پر سنی تھی۔

"ٹھہرو، یہ اب ہمارے مہمان ہیں۔"

جنگلی بوکھلا کر پیچھے ہٹے اور پھر چپ چاپ فرش پر لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور بے سدھ ہو گئے۔ دونوں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے کسی کو اتنی جلدی سوتے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک بار پھر آگے بڑھے۔ تقریباً پانچ کمروں میں انہیں جنگلی ہی بھرے ملے۔ کمرے کافی بڑے تھے۔ وہ آسانی سے ان میں سمائے ہوئے تھے۔ وہ چھٹے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا، اس کمرے میں ایک شخص الٹا لٹکا ہوا تھا۔

آفتاب کی نظر جوں ہی اس کے چہرے پر پڑی، وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

☆☆☆

باس کا نائب

وہ سب آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا، یہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ اس میں ہر طرف ٹیلی ویژن سیٹ رکھے تھے۔ ان پر مختلف مناظر نظر آ رہے تھے۔ دروازے کے بالکل سامنے ایک شخص ان کی طرف کرکے ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ایک بہت لمبی میز تھی۔ میز اور کرسیاں بھی شیشے کی تھیں۔ وہ ان سیٹوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک سیٹ پر انہیں وہ وادی نظر آئی، جس میں انہیں تین دن قید رہنا پڑا تھا۔ دوسرے سیٹ پر وہ میدان نظر آیا، جس میں انہوں نے جنگلیوں سے لڑائی کی تھی۔ اس منظر میں انہیں کچھ جنگلیوں کی لاشیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ باقی سیٹوں پر شاید اس عمارت کے ہی مختلف مناظر تھے، کیونکہ ان میں بھی ہر چیز شیشے کی نظر آ رہی تھی۔

"مہنگے مہمانو، میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔" کرسی پر بیٹھا ہوا شخص ان کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر انہیں شیشے کا ایک خول سا نظر آیا۔ اس خول نے اس کے چہرے کے نقوش مکمل طور پر چھپا لیے تھے، لیکن شاید وہ انہیں بخوبی دیکھ رہا تھا۔ خول کی وجہ سے اس کی آنکھیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں، لیکن آواز۔ نہ جانے اس کی آواز ان میں سے کئی کو کیوں جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید کو فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ وہ کس کی آواز تھی، تاہم انہوں نے اپنے چہرے سے کوئی بات ظاہر نہ

ہونے دی۔

"میٹھے مہمان، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں جناب۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"تم لوگوں کو یہاں لانے کے سلسلے میں ہمیں بہت نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ اپنے بہت سے آدمی گنوانا پڑے ہیں۔" اس نے کہا۔

"آپ کا اشارہ ان جنگلیوں کی طرف ہے۔"

"وہ جنگلی نہیں ہیں۔ پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ ہیں۔ انہیں جنگلیوں کے روپ میں تم لوگوں کو گھیرنے کے لیے ضرور بھیجا گیا تھا۔ باس دراصل تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔"

"باس، تو کیا آپ باس نہیں ہیں۔ ہم تو آپ کو ہی باس سمجھ بیٹھے تھے۔" آصف حیران ہو کر بولا۔

"میں باس کا نائب ہوں۔ باس سے بھی آپ لوگوں کی عنقریب ملاقات ہوگی۔ ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ باس کی شدید خواہش تھی کہ تم لوگوں کی بے بسی کا تماشا دیکھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے تم میں سے ایک پارٹی کو پہلے اس وادی میں قید کیا۔ دوسری کو اس میدان میں ڈلوا دیا۔ گولیوں کے ذریعے ان کے رنگ بھی کالے کرا دیے۔ لیکن دونوں پارٹیاں پھر بھی بے چارگی میں مبتلا نہیں ہوئیں۔ آخر اپنے ماتحتوں کو جنگلیوں کے روپ میں بھیجا گیا۔ یہ پورا علاقہ بھی ان جنگلیوں سے پٹا پڑا تھا۔ ہم نے گیس کے ذریعے ان کا صفایا کر دیا تھا اور ان کے بھالے یہاں جمع کر لیے تھے۔ سو یہ بھالے آج کام آئے۔ باس کا خیال تھا کہ دو سو بھالوں والے جنگلی اپنے گرد دیکھ کر تم لوگوں کی سٹی گم ہو جائے گی۔ گھگھی بندھ جائے گی اور تم خوف زدہ ہو کر چیخنا شروع کر دو گے، لیکن ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ ہوئی تو صرف اتنی کہ تم لوگوں

نے ان کا مقابلہ عجیب و غریب طریقے سے شروع کر دیا۔ اتنے عجیب طریقے سے کہ باس سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور پھر ہمارے کئی ساتھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ یہ دیکھ کر باس نے لڑائی کو بند کرنے کا اشارہ کر دیا اور انہیں واپس بلا لیا، لہٰذا تم بہت میٹھے مہمان ثابت ہوئے ہو۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"تو کیا آپ کے باس نے صرف ہماری بے بسی اور بے چارگی کا تماشا دیکھنے کے لیے ہمیں اغوا کرایا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی، لیکن محمود اور فرزانہ نے صاف محسوس کیا کہ یہ حیرت مصنوعی تھی۔

"نہیں خیر، تمہیں اغوا کرنے کا مقصد تو کچھ اور تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ تم لوگوں کو ہر طرح بے بس دیکھنے کے خواہش مند بھی ہیں، لیکن افسوس ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔"

"ارے۔" اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا فرزانہ، خیر تو ہے۔" خان رحمان اس کی طرف مڑے۔

"فف، فاروق اور آفتاب یہاں نہیں ہیں۔"

"ارے، وہ کہاں چلے گئے۔" ان میں سے کئی کے منہ سے نکلا۔ انہوں نے ادھر ادھر بھی دیکھا، لیکن ہال میں وہ کہیں بھی نظر نہ آئے۔ "وہ تم لوگوں کے پیچھے آنے کی بجائے دائیں طرف برآمدے میں مڑ گئے تھے۔ لہٰذا وہ اس عمارت کے دوسرے حصے کی سیر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں، فکر نہ کریں، بالکل خیریت سے ہیں۔" باس کے نائب نے کہا۔

"مسٹر نائب، آپ کا نام کیا ہے؟" آصف پوچھ بیٹھا۔

"یہاں ناموں کی کوئی اہمیت نہیں، تم مجھے نائب ہی کہہ لو۔" اس نے شاید مسکرا کر کہا، شاید اس لیے کہ انہیں تو اس کے چہرے کے نقوش نظر ہی نہیں آ رہے

تھے۔

"اب کیا پروگرام ہے۔ آخر ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"یہاں تم لوگوں کو قید رکھا جائے گا۔ پہلے تم لوگوں کے لیے اس وادی
منتخب کیا گیا تھا، لیکن پھر اس عمارت کو ہی مناسب سمجھا گیا۔ یہ عمارت بلند پہاڑ
ہے۔ یہاں کا ہر منظر میں یا باس ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تم لوگوں کی کو
کارروائی یا کارگزاری ہماری آنکھوں سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ ویسے بھی تم اپنے ملک
سے ہزاروں کلومیٹر دور ہو۔ اپنے ملک تک کوئی پیغام نہیں بھیج سکتے۔ بس تم یہاں گھومو
پھرو گے، کھاؤ پیو گے اور سوؤ گے۔ اس کے علاوہ تمہیں کوئی اور کام نہیں ہوگا۔"

"سوال تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہمیں قید کیوں رکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ بات صرف اور صرف باس کو معلوم ہے، میں بھی نہیں جانتا۔"

"اور ہمیں یہاں کب تک قید میں رہنا ہوگا۔" محمود نے مایوسانہ لہجے
میں کہا۔

"جب تک باس چاہیں گے۔"

"لیکن آپ کے باس کو ہم سے ایسی کیا ہمدردی ہے کہ وہ ہمیں صرف کچھ
عرصے کے لیے قید کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد ہمیں چھوڑ دیا جائے گا، کیوں ہمیں ختم
نہیں کر دیا جاتا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے بھی باس کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ آخر تم لوگوں کو زندہ رکھنے
کی کیا ضرورت ہے۔ ختم ہی کیوں نہ کر دیا جائے، لیکن باس نے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا
ہے کہ وہ تم لوگوں کے ملک میں جا کر تم سے اپنا کوئی حساب چکانا چاہتے ہیں۔ ان کا
خیال ہے کہ یہاں تو تم لوگ بے بس ہو، مزا نہیں آ رہا۔ وہ تم سے ان حالات میں
مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، جب تم لوگ اپنے ملک میں ہو۔ ہر طرح طاقت ور رہو، تمام تر

اختیارات کے مالک ہو۔ بے بسی کا ذرا بھی احساس تم لوگوں کو نہ ہو۔ ان حالات میں
وہ تم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی ایک بہت بڑی خواہش ہے، لیکن اس وقت
وہ تم لوگوں کو تمہارے ملک سے اغوا کرانے پر مجبور ہو گئے تھے۔"

"ارے، تو آپ کے باس بھی مجبور ہونا جانتے ہیں۔" فرحت کے لہجے
میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں، ہماری حکومت تو انہیں مجبور کر ہی سکتی ہے اور حکومت نے ہی انہیں
مجبور کیا تھا کہ آپ لوگوں کو اغوا کرنے کا حیرت انگیز سا منصوبہ تیار کیا جائے، اس قدر
حیرت انگیز اور پیچیدہ کہ تم لوگ سنبھل نہ سکو اور نہ کچھ سمجھ سکو۔" نائب کہتا چلا گیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی حکومت ہمیں ہمارے ملک سے دور رکھنا
چاہتی ہے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"یہی سمجھ لو۔"

"اگر آپ مجھے یہ بتا دیں کہ ہمیں یہاں کب تک قید رکھا جائے گا، تو میں
اسی وقت بتا سکتا ہوں کہ ہمیں اغوا کرنے کی وجہ کیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم، میں کہہ چکا ہوں۔"

"خیر خیر، اب آپ صرف اتنا بتا دیں کہ کیا ہم گھومنے پھرنے کے لیے اس
عمارت سے باہر بھی جا سکتے ہیں۔"

"نہیں، اس کے اندر ہی رہنا ہوگا۔"

"گویا اس عمارت میں جہاں جی چاہے، جا سکتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"لیکن یہاں تو ہمارا دم گھٹ جائے گا۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں، تمہارے ملک کی جیلوں میں تو غیر ملکی اور ملکی مجرموں کے دم نہیں

گھٹنے۔ ہم نے تو ان کے بارے میں بہت خوف ناک باتیں سنی ہیں۔ سنا ہے زیر زمین کوٹھڑیوں میں رکھا جاتا ہے۔"

"یہ غلط ہے۔ عام جیلوں میں انہیں رکھا جاتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"خیر خیر، یہ عمارت تمہارے ملک کی جیلوں سے بہرحال بہتر ہے۔ تم یہاں خوش رہو گے۔"

"اس سے تو بہتر تھا، آپ ہمیں اس وادی یا میدان میں ہی رہنے دیتے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"کرتو خیر تم وہاں بھی کچھ نہیں سکتے تھے۔" اس نے کہا اور ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ میز پر رکھے ایک آلے کا بلب جلنے بجھنے لگا۔ اس نے جلدی سے منہ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا:

"لیس باس، کیا حکم ہے؟"

"یہ لوگ عمارت میں پہنچ چکے ہیں؟" دوسری طرف سے ایک کھردری سی آواز سنائی دی:

"انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران نے اس آواز پر کان لگا دیے۔ اور غور کرنے لگے کہ آواز کس کی ہو سکتی ہے۔ اس مجرم سے ان کا واسطہ کب اور کہاں پڑا تھا۔ کچھ یاد نہ آیا۔ شاید وہ بہت مہارت سے آواز بدل کر بول رہا تھا۔

"لیس باس۔"

"ٹھیک ہے، میں صبح ان سے ملاقات کروں گا۔ ان کی ہر طرح خاطر تواضع کی جائے۔"

"او کے باس۔"

آواز آنا بند ہو گئی، نائب نے منہ ہٹایا ہی تھا کہ اچانک اس کے منہ سے نکلا:

"ارے، وہ بات تو میں نے پوچھی ہی نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے آلے میں لگا نیلا بٹن دبایا اور بولا:

"سوری باس، ایک بات رہ گئی۔ اس بے وقوف آدمی کا کیا کرنا چاہیے۔"

"او ہاں، اسے بلا کر سزا سنا دو۔"

"جی بہتر۔" سلسلہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔

"اب تم لوگ جا سکتے ہو، جن دو کمروں میں تمہیں رہنا ہے۔ وہاں تک تم خود بخود پہنچ جاؤ گے اور تمہارے دونوں ساتھی بھی پہنچ جائیں گے۔"

"ہم کسی وقت بھی اس عمارت میں گھوم پھر سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں، جہاں چاہے آ جا سکتے ہو۔"

"اس کمرے میں بھی۔" فرحت بولی۔

"نہیں، یہ میرا کمرہ ہے۔ ساتھ والا کمرہ باس کا ہے۔ تم ان دو کمروں کے علاوہ پوری عمارت میں کہیں بھی گھوم پھر سکتے ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم اس عمارت کی چھت تک تو جا ہی سکتے ہیں۔"

"ہاں ضرور۔ چھت تک جانے کے لیے لفٹ لگی ہوئی ہے۔ ویسے تمہیں اس خیال کو دل سے نکال دینا چاہیے کہ تم چھت کے راستے یہاں سے فرار ہو سکتے ہو۔ اول تو تم اس عمارت سے کسی طرح باہر نہیں نکل سکتے۔ اگر کسی طرح نکل بھی جاؤ تو اس میں ہی چکراتے رہ جاؤ گے، کیونکہ اس میدان کے ایک طرف یہ عمارت ہے۔ دوسری طرف وہ وادی جو پہاڑوں میں گھری ہے۔ باقی دونوں سمتوں میں اتنی گہری کھائیاں

ہیں کہ ان میں اترا نہیں جا سکتا۔ ان حالات میں تم کیا کر سکتے ہو؟"

"واقعی، ہم تو بہت برے پھنسے۔"

"اب بس، تم جا سکتے ہو۔"

وہ مڑے اور دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ ابھی تک تو انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس عمارت کے دروازے خود بخود کس طرح کھل جاتے ہیں۔ باہر نکلنے کے بعد محمود نے پہلا سوال یہی کیا۔

"کیوں انکل، یہ دروازے خود بخود کس طرح کھل جاتے ہیں؟"

"شاید یہ انسانی جسم سے خارج ہونے والی لہروں کے ذریعے کھلتے ہیں۔" انہوں نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"تب تو ہم باس اور نائب کے کمروں میں بھی داخل ہو سکیں گے۔"

"لہریں جذب کرنے والا کنکشن اگر کاٹ دیا جائے تو دروازے کس طرح کھل سکتے ہیں۔ ضرورت کے وقت یہ بھی کرتے ہوں گے۔" انہوں نے کہا۔

"ہوں، آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے ابا جان، پہلے ہم اس عمارت کی چھت کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔"

"لیکن اس سے بھی پہلے میں فاروق اور آفتاب کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ نہ جانے کہاں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا آپ سمجھ سکے ہیں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟"

"ابھی تک نہیں۔ اندازے لگانے کی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہیے۔" وہ بولے۔

وہ دروازے سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک آدمی دروازے کی طرف آتا نظر آیا۔ یہ اُن ہی خدمت گاروں میں سے ایک تھا، جنہوں نے جہاز پر ان پر پستول

تانے تھے۔ انہوں نے دیکھا وہ سیدھا نائب کے کمرے کا رخ کر رہا تھا۔ وہ جوں ہی کمرے کے دروازے کے نزدیک پہنچا، دروازہ خود بخود کھل گیا اور اس کے اندر داخل ہونے کے بعد فوراً ہی بند ہو گیا۔

"یہ شاید کوئی خاص اطلاع لے کر آیا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"انکل، میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔" آصف بولا۔

"کیسا تجربہ؟" وہ چونکے۔

"بس، آپ دیکھتے جائیے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور نائب کے کمرے کے دروازے کی طرف ھا۔ جونہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچا۔ دروازہ کھل گیا۔ اور اس خدمت گار کی واز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ کہہ رہا تھا:

"......اور یہ ایک خطرناک صورت حال ہے۔"

اس کے ساتھ ہی نائب نے دروازہ کھلتے دیکھ لیا۔ اس نے آصف کو ا جانے والی نظروں سے گھورا اور چیخ کر بولا۔

"کیا بات ہے۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم لوگ میرے اور باس کمرے میں نہیں آ سکتے۔"

"بالکل کہا تھا جناب، میں اندر کب داخل ہوا ہوں۔ بس ذرا یہ معلوم نے کے لیے دروازے تک آ گیا تھا کہ ہمارے کھانے پینے کا کیا ہوگا۔ ہم تو بہت ے ہیں۔"

"اوہ، ہاں واقعی۔ یہ تو مجھے بھی یاد نہیں رہا تھا باتوں میں۔ خیر، تم لوگ اپنے ں میں پہنچو، کھانا وہاں پہنچ جائے گا۔"

"شکریہ جناب، امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔"

"ٹھیک۔ ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔" اس نے کہا اور آصف دروازے سے مڑ گیا۔ دروازہ فوراً ہی بند ہو گیا۔

"وہ کسی خطرناک صورت حال کی بات کر رہا تھا۔" اس نے سرگوشی کی۔

"ہوں، اگر اس عمارت میں کوئی خطرناک صورت حال ہے تو ہمارے لیے وہ ضرور مفید ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ خطرناک صورت حال کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید پر جوش لہجے میں بولے۔

"ہوں، بات بالکل ٹھیک ہے۔ آصف کا تجربہ مفید رہا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تو پھر آیئے۔ اپنے کمروں میں چلیں۔ بھوک بہت لگی ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

سب نے قدم اٹھائے، مگر انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

"کیا آپ کو بھوک نہیں لگ رہی؟" فرحت نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں، وہ تو اڑ گئی ہے۔"

"جی کیا کہا، اڑ گئی ہے؟"

"ہاں، جب تک یہ خدمت گار باہر نہیں آ جاتا۔ اس وقت تک ہم یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

ان کی نظریں نائب کے دروازے پر جم کر رہ گئیں۔ اور پھر انہوں نے دروازہ کھلتے دیکھا۔

☆☆

"ارے، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"ایک لٹکے ہوئے آدمی کو دیکھ رہے ہو۔ اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ اس شخص سے ضرور کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو گی۔ کیوں جناب، یہی بات ہے نا؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں۔" اس نے حلق پھاڑ کر کہا۔ شاید وہ بہت جھنجھلایا ہوا تھا۔

"ارے بھائی، اس طرح حلق نہ پھاڑو۔ پہلے ہی الٹے لٹکے ہوئے ہو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں، لٹکے ہوئے اس طرح حلق پھاڑنے سے کیا ہو جاتا ہے۔" آفتاب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"گلا خراب ہو جاتا ہے۔ اس میں خراش آ جاتی ہے۔ تم جانتے ہی ہو، گلے کی خراش کافی تکلیف دہ ہوتی ہے۔"

"لیکن وہ تو آدمی سیدھا بیٹھا ہوا ہو، تب بھی آ سکتی ہے۔" آفتاب نے اعتراض کیا۔

"تم نہیں جانتے۔ تم نے حکمت کی کتابیں کب پڑھی ہیں۔ اس حالت میں جو خراش آتی ہے، وہ واپس نہیں جاتی۔" فاروق بولا۔

"واپس نہیں جاتی۔ تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے وہ کہیں باہر سے آتی ہے۔" آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"اب تم اپنا، میرا اور ان صاحب کا وقت ضائع نہ کرو اور آگے بڑھو۔" فاروق نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"ٹھہرو بھئی، یہ اپنا اور تمہارا تک تو ٹھیک ہے۔ بھلا ہم اس لٹکے ہوئے

شخص کا وقت کس طرح برباد کر رہے ہیں۔" آفتاب نے گویا بال کی کھال اتاری۔

"کیا پتا، وہ اس وقت کتنی ضروری باتیں سوچ رہا ہو۔ ہوسکتا ہے، اس سزا سے نجات ملنے پر یہ اتنی ضروری باتیں پھر بھی نہ سوچ سکے۔ میں نے سُنا ہے کہ آدمی جب الٹا ہوتا ہے تو اس کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیوں اس بے چارے کو شیطان خیال کر رہے ہو، یہ تو پہلے ہی الٹا لٹکا ہوا ہے۔" فاروق نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"تم بے تکی ہانکنے میں مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہو۔ میں اس شخص کو دیکھ کر اس لیے حیران نہیں ہوا تھا کہ یہ الٹا لٹکا ہوا ہے۔" آفتاب نے تلملاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر کس لیے حیران ہوئے تھے۔ تم نے تو یہ کہہ کر مجھے بھی حیران کر دیا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"میں اس لیے حیران ہوا تھا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں۔" آفتاب نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے، یہ بات ہے۔ تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ اور یہ کیا، تم اس شریف آدمی کو جانتے ہو۔ اور اس سے تم نے ہاتھ تک نہیں ملایا اور نہ اسے کھولنے کی کوشش کی۔ کیوں بھائی، کیا ہم تمہیں کھول دیں؟"

"نہیں، ایسی کوشش بھی نہ کرنا۔" الٹا لٹکا ہوا آدمی بولا۔

"اچھا نہیں کرتے۔" فاروق نے پُر خلوص لہجے میں کہا۔

"یہ۔ یہ انوار شام ہے۔" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"انوار شام۔ کون انوار شام۔ اور پھر یہ انوار رات اور انوار صبح بھی ہو تو

مجھے کیا۔ میں نے کون سا اس کے ساتھ صبح شام کرنا ہے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے ہاں، ہم نے تو ابھی تک آپس میں ایک دوسرے کے حالات بھی نہیں سُنے۔ خیر، پھر بتاؤں گا کہ مسٹر انوار شام سے واسطہ کہاں پڑا تھا، پہلے میں اس سے دو دو باتیں کر لوں۔ ہاں تو مسٹر انوار شام، یہ آپ کے ساتھ کیا ہوا؟"

"مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوئی۔ تمہارے اغوا کے بعد تمہارے ملک سے فرار ہوتے وقت میں اپنے کاغذات وہیں بھول آیا۔ ان کاغذات سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ میرا تعلق کس ملک سے ہے اور یہ بھی کہ میں تمہارے ملک میں جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ یہاں پہنچنے کے بعد مجھ سے کاغذات طلب کیے گئے تو میں پیش نہ کر سکا، لہٰذا مجھے الٹا لٹکا دیا گیا۔" اس نے بتایا۔

"اوہ، بہت افسوس ہوا یہ سُن کر۔ اگر تم ہمیں یہاں سے اپنے ملک تک جانے کا راستہ بتا دو تو ہم ابھی جا کر تمہارے کاغذات لے آئیں۔" فاروق نے پُر خلوص انداز میں کہا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ کاغذات تو محکمہ سراغرسانی کے ہاتھ لگ بھی چکے۔"

"ارے صاحب، آپ ہمارے جانے کا انتظام تو کر دیں۔ ہم وہاں سے بھی لا کر دکھا دیں گے۔" آفتاب بولا۔

"نہیں، اب ان کاغذات کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔"

"تب پھر تمہیں الٹا کیوں لٹکایا گیا ہے؟"

"غلطی کی سزا تو ملا ہی کرتی ہے۔"

"اچھا بھائی، بھگتو سزا۔ ہم تو چل دیے۔ ہمارے ساتھی ہمارے لیے

پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے۔ اسی وقت انہوں نے ایک لفٹ اوپر جاتے دیکھی۔

"آؤ یار، ذرا لفٹ کی بھی سیر کر لیں۔ ذرا دیکھیں تو سہی، یہ عمارت کتنی اونچی ہے۔ باہر سے تو خاص اونچی نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اس کا کیا پتا، باہر سے اس کی بلندی نظر ہی نہ آتی ہو۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"ہمیں پہلے اپنے ساتھیوں تک پہنچنا چاہیے۔" آفتاب پریشان ہو کر بولا۔

"اوہو، بھئی پہنچ جائیں گے ان کے پاس بھی۔ آؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے آفتاب کا ہاتھ پکڑا اور لفٹ کے دروازے تک پہنچ گیا۔

اسی وقت لفٹ رکی۔ اس کا دروازہ کھلا اور اس میں سے چند آدمی نکلے۔ یہ شکل صورت سے پائلٹ نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، لفٹ میں گھس گئے اور سب سے اوپر والی منزل کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ اوپر جانے لگی۔

"یار یہ عمارت ہے بہت مزے دار۔ اگر ہمیں یہاں کچھ دن گزارنے کا موقع مل گیا، تو خوب لطف رہے گا۔"

"لو اور سنو، دشمنوں کی قید میں۔ اور خوب لطف رہے گا۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"بھئی، آدمی کو ہر حال میں خوش رہنا چاہیے۔" فاروق مسکرایا۔

اسی وقت لفٹ رکی۔ وہ باہر نکلے۔ انہوں نے دیکھا، وہ چھت پر کھڑے تھے۔ دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

سٹی گم

دروازہ کھلتے ہی خدمت گار باہر نکلا اور ان کے پاس سے گزر کر آگے جانے لگا۔

"ارے جناب، ہم یہاں صرف آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں۔"

"فرمائیے کیا بات ہے؟"

"وہ کیا خطرناک صورت حال ہے، جس کا ذکر آپ نائب سے کر رہے تھے؟"

"سوری، یہ یہاں کے معاملات ہیں، آپ کو نہیں بتائے جا سکتے۔" اس نے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔

"ارے ارے، سنیے تو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جھپٹ کر آگے بڑھتے ہوئے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"کیا بات ہے جناب، آپ یہاں قیدی ہیں۔ حد سے آگے نہ بڑھیے۔"

انسپکٹر کامران مرزا کے جی میں نہ جانے کیا آئی۔ انہوں نے اس کا بازو اچانک پکڑا اور مروڑ دیا۔ پھر کمرے سے لگاتے ہوئے بولے۔

"جلدی بتاؤ، وہ کیا خطرناک صورت حال ہے؟"

"تم لوگ اپنے لیے مصیبت کو دعوت دے رہے ہو۔" خدمت گار نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اگر تم نے فوراً زبان نہ کھولی تو تمہارا بازو ٹوٹ جائے گا اور شیشے کی یہ عمارت بنانے والے بھی تمہارے بازو کو دوبارہ نہیں جوڑ سکیں گے۔ تمہیں کچھ نہ کچھ تو تکلیف برداشت کرنا ہی ہوگی۔"

"تم احمق ہو، اس عمارت میں ہماری مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ نائب اب تک تمہاری اس حرکت کو نوٹ کر چکے ہیں۔ شاید وہ تماشا دیکھنے کے لیے رک گئے ہیں، ورنہ اب تک تم لوگوں کی خبر لے چکے ہوتے۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم بتاتے ہو یا میں بازو توڑ دوں؟"

ان الفاظ کے ساتھ ہی نائب کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ برآمدے میں بجلی سی چمکی۔ انسپکٹر کامران مرزا کو زبردست جھٹکا لگا۔ خدمت گار کا بازو ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ الٹ کر گرے اور ساکت ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے نائب کی آواز سنی۔ وہ گونج دار آواز میں کہہ رہا تھا:

"اس عمارت کے چپے چپے پر میری نظر ہے۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا تمہاری خبر لے سکتا ہوں۔ یہاں تمہاری کوئی چال کارگر نہیں ہوگی۔ یہ چند سیکنڈ بھی تم اس کا بازو اس لیے پکڑے رہے کہ میں تمہاری اس حرکت سے لطف لینے لگ گیا تھا۔"

"اگر آپ کو اس حرکت سے اتنا ہی لطف آیا ہے تو ہم ایسے کئی اور کام بھی دکھا سکتے ہیں۔ تاکہ آپ خوب لطف اٹھا سکیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ایسی کوئی کوشش پھر نہ کرنا۔ ابھی میں نے انسپکٹر کامران مرزا کو ایک ہلکی سی خوراک دی ہے، ورنہ اس وقت یہاں ان کی لاش پڑی ہوتی۔"

"ارے باپ رے۔ ڈاکٹر صاحب، آپ بہت اچھے ہیں۔ ہمارے انکل

کو موت کی خوراک نہیں دی۔" فرحت نے لرزتی آواز میں کہا۔

"موت کی خوراک، یہ تو کسی ناول کا نام بن سکتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"دھت تیرے کی۔ یہ کون سا موقع ہے ناولوں کے نام منتخب کرنے کا۔ انکل بے ہوش پڑے ہیں۔" محمود نے بھنا کر کہا اسی وقت انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کو اٹھتے دیکھا۔ وہ عجیب انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"میں نے یہ حرکت بھی تجربہ کرنے کے لیے کی تھی۔" وہ بولے۔

"کون سا تجربہ انکل۔" فرحت بولی۔

"یہ کہ یہاں کوئی حرکت کرنے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ آؤ اب چلیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ہم جائیں کہاں۔ ہمیں کیا معلوم کہ ہمارے کمرے کون سے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"اگر اس نے یہ کہا ہے کہ ہم خود بخود اپنے کمروں تک پہنچ جائیں گے تو بلاوجہ نہیں کہا ہوگا۔ ہم جس طرف بھی جائیں گے، اپنے کمروں تک ہی پہنچیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے لیے صرف ہمارے ہی کمروں کے دروازے کھلیں۔ باقی کمروں کے دروازے کھلیں ہی نہیں۔ اس طرح ہم واقعی خود بخود اپنے کمروں میں پہنچ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

آخر وہ چل پڑے اور پھر انسپکٹر جمشید کا خیال ہی درست نکلا۔ اس بھول بھلیاں میں کتنی ہی دیر تک چکرانے کے بعد وہ آخر وہ دو ایسے کمروں کے سامنے پہنچے، جن کے دروازے ان کے لیے خود بخود کھل گئے۔ ان کے علاوہ کسی اور کمرے کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔

"تو یہ ہیں ہمارے کمرے۔" محمود بڑبڑایا۔

''کمرے نہیں، قید خانہ کہو۔'' فرزانہ بولی۔

''یوں تو یہ پوری دنیا ہی انسان کے لیے قید خانہ ہے۔'' خان رحمان بولے۔

''ارے، لیکن آفتاب اور فاروق اب تک واپس نہیں لوٹے۔'' فرحت نے چونک کر کہا۔

''شاید وہ کہیں الجھ گئے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید فکر مندانہ لہجے میں بولے۔

اسی وقت کمرے میں دو آدمی ایک ٹرالی دھکیلتے داخل ہوئے۔ ٹرالی کھانے سے لبریز تھی۔ وہ کھانے پر ٹوٹ پڑے، تاہم انہوں نے آفتاب اور فاروق کا حصہ نکال دیا تھا۔

''میں اب تک یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ کونسی صورت حال انتہائی خطرناک ہے، جس کی اطلاع خدمت گار نے نائب باس کو دی تھی اور کیا نائب کو اپنے کمرے میں بیٹھے اس خطرناک صورت حال کا پتا نہیں چلا تھا۔'' انسپکٹر جمشید سوچ میں گم لہجے میں بولے۔

''اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عمارت میں کچھ کام ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جن کا نائب کو پتا نہیں چلتا۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''ہاں، اس میں تو کوئی شک نہیں۔ محمود، آصف، میں نے تمہارے لیے ایک کام نکالا ہے۔ اب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہم کھانا تو کھا ہی چکے ہیں۔ ان حالات میں نیند تو کیا آئے گی، لہٰذا ہم رات میں اس پوری عمارت کا جائزہ لیتے پھریں گے۔ تم دونوں فاروق اور آفتاب کی تلاش میں نکل جاؤ۔ اور وہ جہاں بھی ہوں، انہیں یہاں لے آؤ۔ میں، کامران مرزا اور خان رحمان بھی عمارت کا جائزہ لینے کے لیے جا رہے ہیں۔ البتہ فرحت اور فرزانہ پروفیسر صاحب کی

حفاظت کے لیے یہیں ٹھہریں گی۔''

''تو ابا جان، ہم بھی انکل کو ساتھ لے کر کیوں نہ نکل کھڑی ہوں، شاید ہم کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔'' فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

''اگر پروفیسر صاحب تھکن محسوس نہیں کر رہے اور نکلنا پسند کریں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بصورت دیگر تم دونوں کو وہی کرنا ہوگا جو میں نے کہا ہے۔''

''کیوں انکل، آپ کا کیا خیال ہے؟'' فرحت اور فرزانہ ایک ساتھ ان کی طرف مڑیں۔

''ہم بھی اس کمرے میں بند ہو کر نہیں بیٹھیں گے، کچھ کام کریں گے۔'' وہ بولے۔

''لیکن مہربانی فرما کر کسی قسم کا کوئی خطرہ مول نہ لینا۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ نہیں مول لیں گے۔'' فرزانہ نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

آخر وہ مختلف سمتوں میں چل پڑے۔ پوری عمارت روشن تھی۔ فرحت، فرزانہ اور پروفیسر داؤد سیدھے عمارت کے درمیانی حصے میں آئے۔ یہاں لفٹ موجود تھی۔

''میرے خیال میں انکل، اگر ہم کوئی کام دکھا سکتے ہیں تو اس عمارت کی چھت پر جا کر۔''

''لیکن بھئی، میں چھلانگ نہیں لگا سکوں گا۔'' وہ مسکرائے۔

''اوہ، نہیں انکل، آپ فکر نہ کریں۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لفٹ میں داخل ہو گئی۔ دونوں نے اس کا ساتھ دیا۔

جوں ہی لفٹ چھت پر رکی اور وہ اس سے باہر نکل کر چھت پر آئے، انہوں نے ایک عجیب آواز سنی۔ آواز ہولناک قسم کی تھی۔ انہوں نے فوراً آواز کی سمت میں دیکھا اور پھر ان کی سٹی گم ہو گئی۔

☆☆

"یار آصف، اب ہم ان دونوں بے وقوفوں کو کہاں تلاش کریں؟" محمود نے ایک برآمدے میں قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں محمود، تم انہیں بیوقوف کہہ کر غلطی کر رہے ہو۔" آصف بولا۔

"او ہاں، ٹھیک ہے۔ مجھے کم از کم آفتاب کو بے وقوف کہنے کا کوئی حق نہیں۔ صرف فاروق کو کہہ سکتا ہوں۔"

"یہ بات نہیں۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دونوں بے وقوف نہیں ہیں، ہاں جلد باز ضرور ہیں۔ اور سوچے سمجھے بغیر قدم اٹھا بیٹھتے ہیں۔"

"کم از کم انہیں یہاں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب دیکھو نا، ہمیں ان کی تلاش میں نکلنا پڑا ہے۔"

"ان پر تاؤ کھانے کا کیا فائدہ۔ ارے، یہ اس کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔" آفتاب ٹھٹک کر رک گیا۔ ایک کمرے میں سے انہیں عجیب سی آوازیں آتی سنائی دی تھیں، پھر انہوں نے اپنے کان دروازے سے لگا دیے۔ دروازہ ان کے پہنچنے پر کھلا نہیں تھا۔

"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اندر مشینیں چل رہی ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، یہاں ضرور کوئی کام ہو رہا ہے۔ کاش ہم کسی طرح معلوم کر سکیں،

یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آؤ ذرا اس کمرے کے دائیں بائیں اور پچھلے حصے کا جائزہ لیں۔ شاید کوئی کھڑکی کھلی ہو۔"

وہ چکر لگا کر کمرے کے دوسری طرف پہنچے، لیکن کھڑکی بند تھی۔ آخر پھر دروازے پر آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ کیا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دے ڈالی۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ اور وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا، یہ ایک اس سے بھی بڑا ہال تھا، جس میں انہوں نے نائب کو دیکھا تھا۔ اس ہال میں عجیب و غریب مشینیں فٹ تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی ایسی مشینیں نہیں دیکھی تھیں۔ مشینوں پر بے شمار لوگ کام کر رہے تھے۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک اٹھے۔

"اوہو، یہ تو شاید وہ مہمان ہیں، جن کی آمد کی خبر تین دن پہلے یہاں پھیل گئی تھی۔" ان میں سے ایک کے منہ سے نکلا۔

"ہاں ہم وہی ہیں، لیکن تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟" محمود بولا۔

"کام، ان مشینوں پر کام ہو رہا ہے۔" ایک مشین مین بولا۔

"ان مشینوں پر کیا کام ہوتا ہے؟" آصف بولا۔

"سوری، یہ راز ہے اور راز بتانے کے لئے نہیں ہوتا۔" مشین مین نے کندھے اچکائے۔

"کیا ہم پورا ہال گھوم پھر کر دیکھ سکتے ہیں؟"

"نہیں، اس کی اجازت نہیں۔ اس کمرے کے علاوہ آپ لوگ ہر جگہ گھوم پھر سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر ہمارے لیے دروازہ کیوں کھولا گیا ہے۔" آصف نے برا سا منہ

بتایا۔

"دستک دینے کا انداز بالکل باس کے نائب جیسا تھا، اس لیے فوراً دروازہ کھول دیا گیا۔ اب ہمیں اس کی اطلاع نائب کو دینا پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے، دے دو اطلاع۔ ہم چلتے ہیں۔" محمود نے کہا اور دروازے کی طرف مڑا۔

دونوں باہر نکل آئے۔ دروازہ فوراً ہی بند ہو گیا۔

"یار، اب ہم انھیں کہاں ڈھونڈیں؟" آصف نے تنگ آ کر کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ عمارت بہت طویل و عریض ہو، اور وہ کہیں دور نکل گئے ہوں۔ کیوں نہ ان کے نائب سے معلوم کیا جائے کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ ٹیلی ویژن پر دیکھ کر بتا دے گا۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"لیکن ہم اس کے کمرے تک کس طرح پہنچیں۔ ہمیں تو نہ جانے کتنے برآمدے گھومنے پڑے تھے۔ کیا تمھیں راستہ یاد ہے؟"

"نہیں، یہ عمارت تو کوئی بہت ہی بڑی بھول بھلیاں ہے۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"خیر، دیکھا جائے گا۔ آؤ چلتے رہتے ہیں۔ کم از کم اتنا تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک کمرے میں مشینیں بھی لگی ہیں اور مشینیں بھی عجیب و غریب ہیں۔ خدا جانے یہ لوگ ان پر کیا تیار کرتے ہیں۔"

"کاش، ہمارے ساتھ پروفیسر انکل بھی ہوتے۔"

"خیر، کوئی بات نہیں۔ ہم ان کو لے کر پھر اس کمرے کے دروازے پر پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن شاید اب دروازہ نہ کھلے۔"

"کیوں، کیا تم دوبارہ اسی انداز میں دستک نہیں دے سکتے؟" آصف نے جھلا کر کہا۔

"لیکن اب انھیں میرے دستک دینے کے انداز کا پتا چل گیا ہے۔ اب وہ نہیں کھولیں گے۔"

"خیر، دیکھا جائے گا۔ تجربہ کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔"

"ٹھیک، یہاں ہم تجربے کرنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

عین اسی وقت پوری عمارت ایک دھماکے کی تیز آواز سے گونج اٹھی۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ دوسرے ہی لمحے انھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ بے شمار دروازے ایک دم کھل گئے تھے اور اس میں سے جنگلی حلیوں والے لوگ نکل نکل کر ت اور سیڑھیوں کی طرف بے تحاشا دوڑ پڑے۔

ان کی حیرت کا کیا پوچھنا۔

"یار، یہ کیا ہوا؟" آصف بولا۔

"دھماکا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"دھماکا تو میں نے بھی سنا ہے۔ میں بہرہ نہیں ہوں تمھاری طرح۔" صف نے جھلا کر کہا۔

"شکر ہے، کہ تم میری طرح بہرے نہیں ہو، ورنہ سر پکڑ کر رونا پڑتا۔" محمود سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" آصف نے منہ بنایا۔

"پتا نہیں، بعض اوقات میں بھی فاروق کی طرح ادھر ادھر کی ہانکنے لگتا ں۔ سنو، میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ دھماکے نے سب کو اوپر جانے پر ر کر دیا ہے۔ تو کیا باس کا نائب اوپر نہیں جائے گا؟"

"کیا کہہ سکتا ہوں، میں اس کا نائب نہیں ہوں۔" آصف نے بھنا کر کہا۔

"تم پر جھلاہٹ سوار ہے، حالانکہ اس وقت تم پر صرف کام کا بھوت سوار ہونا چاہیے۔ آؤ، لفٹ کے پاس چلیں۔ شاید ہمیں نائب اکیلا مل جائے۔" محمود نے جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب، اکیلا مل جائے؟"

"ہاں، تقریباً سبھی لوگ دوڑ لگا چکے ہیں۔ نائب اپنے کمرے میں کسی کو رکھتا نہیں۔ اب اگر وہ بھی اوپر جانے کی ضرورت محسوس کرے گا تو ضرور لفٹ کی طرف آئے گا۔"

"بات تو تمہاری دل کو لگتی ہے۔"

وہ تقریباً دوڑتے لفٹ تک آئے۔ دُور دُور تک کوئی نہیں تھا۔ شاید سبھی اوپر جا چکے تھے۔

عین اسی وقت انہوں نے لفٹ نیچے آتے دیکھی۔ وہ ایک دیوار کی اوٹ میں ہو گئے۔ آخر لفٹ رکی، دروازہ کھلا اور ایک آدمی تقریباً دوڑتا ہوا ایک سمت میں چلا گیا۔

دونوں اوٹ سے نکلے اور اس کے تعاقب میں لگ گئے۔

☆☆☆

جہاز پر چھت کی سیر

انسپکٹر کامران مرزا، انسپکٹر جمشید اور خان رحمان اپنے کمروں سے نکل کر عمارت میں چکرانے لگے۔

"عجیب عمارت ہے یہ بھی۔ شیشے کے علاوہ کوئی اور چیز استعمال کی ہی نہیں گئی۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"کیا خیال ہے خان رحمان، دشمنوں سے خالی کرا کے اس میں رہنا نہ شروع کر دیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"دشمن ملک کی سرزمین پر تو میں ہرگز نہیں رہوں گا۔ ہاں اگر تم یہ عمارت میرے لیے یہاں سے اٹھوا کر لے چلو تو ضرور اس میں رہوں گا۔" خان رحمان بولے۔

"مصیبت یہ ہے کہ میرے پاس الہ دین کا چراغ نہیں، ورنہ یہ کام تو چٹکیوں کا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ ہم اس انجینئر کو اغوا کر کے اپنے ساتھ لے جائیں، جس نے یہ عمارت بنائی ہے۔ یوں بھی اغوا کے جواب میں کچھ تو ہونا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے نئی تجویز پیش کی۔

"تجویز روزدار ہے، اور آپ نے جو یہ کہا ہے نا، اغوا کا جواب، اگر اس وقت فاروق ہمارے ساتھ ہوتا تو یہ ضرور کہتا۔ اوہ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ایک تو یہ جاسوسی ناول پڑھنے سے باز نہیں آتے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

"اچھا، آفتاب، آصف اور فرحت بھی پڑھتے ہیں۔"

"انہیں تو جنون کی حد تک شوق ہے۔"

"محمود، فاروق اور فرزانہ کا بھی یہی حال ہے، تاہم وہ اچھی قسم کی کتابیں پڑھتے ہیں۔"

"اس معاملے میں تو خیر وہ بھی احتیاط کرتے ہیں۔ ہاں تو ہم کیا کہہ رہے تھے۔"

"اغوا کا جواب۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہم یہاں سے چلتے وقت اس انجینئر کو ساتھ لیتے چلیں گے۔ اور وہاں خان رحمان کے لیے شیشے کی عمارت بنوائیں گے، جو اس عمارت سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوگی۔"

"آخر یہ لوگ ہمیں قید کیوں رکھنا چاہتے ہیں۔" خان رحمان نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ معلوم ہونے کی دیر ہے۔ پھر ہم یہاں نہیں رکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بھلا فرار کیسے ہوں گے، جبکہ یہ عمارت بلٹ پروف ہے۔"

"چھت کے راستے فرار ہو سکتے ہیں۔ یہ بعد کی باتیں ہیں کہ ہم کس طرح

فرار ہوں گے۔ اس وقت تک تو ہم یہاں کے حالات سے بھی کافی حد تک باخبر ہو جائیں گے۔ اور کچھ نہ کچھ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

"ت، تو کیا ہمیں یہاں کافی عرصے رہنا پڑے گا؟" خان رحمان ہکلائے۔

"ہاں کیوں، ابھی تو تم اس عمارت پر مرے جا رہے تھے۔"

"ارے وہ تو میں مذاق کر رہا تھا۔ میں تو لعنت بھیجتا ہوں ایسے گھر پر۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"ہائیں، آپ تو گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"وہ تو خیر آپ نے بدلا ہے۔" خان رحمان نے جھینپے ہوئے انداز میں انسپکٹر کامران مرزا کے کالے رنگ کی طرف اشارا کیا۔

"ارے ہاں، اسے تو ہم بھول ہی گئے۔ یہ رنگ آخر کس طرح واپس جائے گا۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"یا تو باس کے نائب سے آپ کو کوئی اور گولیاں ملیں گی، یا اصل رنگ خود بخود لوٹے گا۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"چھوڑیے رنگ ونگ کو، رنگ کا کیا ہے، اگر بدستور کالا بھی رہے تو بھی کچھ فرق نہیں پڑ جائے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کندھے اچکائے۔

"آخر ہم آفتاب اور فاروق کو کہاں ڈھونڈیں۔" خان رحمان تنگ آ کر بولے۔

"اسی عمارت میں اور کہاں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید ہم اس وقت بچوں کی کمی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ تبھی تو ان

کے انداز میں باتیں کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہماری یہ باتیں سن لیں تو خوب ہنسیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"سچ تو یہ ہے کہ ہم ان کی شوخ وشنگ اور چٹ پٹی گفت گو کے اس حد تک عادی ہو گئے ہیں کہ اگر کبھی وہ سنجیدہ ہو گئے تو ہم خود ان سے یہ کہہ بیٹھیں گے۔ ارے بھئی، کیا بات ہے، تم لوگوں کی شوخی کیا ہوئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر آپ لوگ انہیں ڈانٹتے کیوں رہتے ہیں؟"

"وہ ڈانٹنا تو جھوٹ موٹ کا ہوتا ہے۔ وہ بھی اس بات کو سمجھتے ہیں، ورنہ ایک ڈانٹ پر ہی چپ سادھ لیں۔"

اسی وقت انہوں نے ایک برآمدے کا موڑ مڑا۔ انہوں نے دیکھا، چار آدمی ایک پانچویں آدمی کو پکڑے لیے جا رہے تھے۔ وہ بھی اسی سمت میں جا رہے تھے، جس سمت میں یہ لوگ۔ شاید وہ اس برآمدے کے سرے والے کمرے سے نکلے تھے۔

"ارے، یہ کون لوگ ہیں اور اسے اس طرح کیوں پکڑے لیے جا رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

"آیئے، آگے بڑھ کر دیکھیں۔"

تینوں نے تیز تیز قدم اٹھائے اور ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے دیکھا، وہ چاروں انوار شام کو اٹھائے لیے جا رہے تھے۔

"ارے، یہ تو انوار شام ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کون انوار شام؟"

"ہمیں اسی کے ذریعے اغوا کرایا گیا تھا لیکن یہ یہاں کیسے نظر آ رہا ہے اور وہ بھی اس حال میں۔ میرا تو خیال تھا، یہ ان کا خاص آدمی ہوگا۔"

"ہاں، میں ان کا خاص آدمی تھا، لیکن اب عام آدمی بھی نہیں رہ گیا۔" انوار شام نے تقریباً چیخ کر کہا۔ وہ شاید بہت غصے میں تھا۔

"لیکن ہوا کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

"ہوا یہ کہ آپ لوگوں کو اغوا کرانے کے ساتھ ہی مجھے بھی وہاں نہیں رہنا تھا، چنانچہ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ یہاں آ گیا، لیکن اپنے وہ کاغذات اس کوٹھی میں ہی چھوڑ آیا ہوں، جن کی رو سے میں غیر ملکی جاسوس ثابت ہو جاتا ہوں۔"

"تو پھر، اب جب کہ تمہیں وہاں رہنا ہی نہیں، اس سے کیا فرق پڑ جاتا ہے۔"

"یہ کہ ہمارے وہاں سے نکلنے کے فوراً بعد پولیس پہنچ گئی تھی۔ پولیس کو اطلاع دینے کا کام شاید کاملین خان انجم نے کیا ہوگا۔ پولیس نے ان کاغذات پر قبضہ کر لیا ہے اور اب تمہاری حکومت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارے اغوا میں کس حکومت کا ہاتھ ہے۔"

"ہوں، تو یہ بات ہے۔ اب ہماری حکومت تمہاری حکومت سے احتجاج کرے گی۔"

"بالکل یہی بات ہے۔ خیر، حکومت اس بات کو تسلیم کرے گی ہی نہیں کہ اغوا کی واردات اس نے کرائی ہے۔ جس شخص نے یہ منصوبہ بنایا ہے، اس کا دماغ شیطانی ہے۔ اس نے پہلے ہی اپنا ہیڈ کوارٹر ملک سے باہر بنا لیا تھا۔ یہ عمارت ایک ایسی جگہ ہے، جس کا تعلق خود ہمارے ملک سے بھی نہیں، بلکہ تمہارے دوست ملک کے ایک ایسے حصے میں واقع ہے کہ اس حصے کی طرف اس نے کبھی توجہ نہیں دی۔"

"کیا کہا، ہم ایک دوست ملک میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہاں۔" اس نے فوراً کہا۔

اس دوران وہ ساتھ ساتھ چل بھی رہے تھے۔ جن چار آدمیوں نے انوار شام کو اٹھایا ہوا تھا، انہوں نے ان لوگوں کو آپس میں بات چیت کرنے سے روکا نہیں تھا۔

"تو ہم اس وقت کون سے دوست ملک میں ہیں۔"

"ملک سیرات میں، یعنی صدر جوناف کے ملک میں۔" اس نے بتایا۔

"کیا؟" انسپکٹر جمشید اچھل پڑے۔

اسی وقت ایک زبردست دھماکا ہوا۔ انہیں یوں لگا، جیسے دھماکا ان کے عین کانوں کے پاس کیا گیا ہو۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ ان چاروں نے انوار شام کو نیچے پھینکا اور واپس مڑتے ہی بلا کی رفتار سے دوڑ پڑے۔

"مسٹر انوار شام، یہ کیا ہوا؟"

"پ، پتا نہیں۔ میں یہاں زندگی میں پہلی بار لایا گیا ہوں۔" اس نے لا کر کہا۔

"کیا تم چلنے پھرنے کے قابل ہو۔"

"نہیں، میں کئی روز سے الٹا لٹکا ہوا ہوں اور کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں

"اچھا تو آؤ۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید جھکے اور اسے کندھے پر اٹھا لیا۔

"یہ تمہیں کہاں لیے جا رہے تھے؟"

"نائب کے کمرے میں، آخری سزا کے لیے۔" اس نے کہا۔

"آخری سزا، کیا مطلب؟"

"یہاں آخری سزا موت کی سزا کو کہا جاتا ہے۔ نائب نے میرے لیے

موت کی سزا تجویز کی تھی۔" اس نے کہا۔

"حیرت ہے، یہ لوگ باس کے نائب کے حکم سے تمہیں اس کے کمرے میں لیے جا رہے تھے، لیکن دھماکے کی آواز سن کر چھوڑ بھاگے۔"

"اس پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ کیا تمہیں نائب کے کمرے میں پہنچا دیں۔"

"نن، نہیں۔ دھماکا چھت پر ہوا ہے، لہٰذا وہیں چلیے۔ خدا جانے کیا چکر ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا خیال ہے کامران مرزا، ہمیں اس موقعے پر کیا کرنا چاہیے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ چلیے اس کے کہنے پر ہی عمل کر لیتے ہیں، کیونکہ آخری سزا کے موقعے پر تو یہ ان لوگوں کا وفادار نہیں رہ گیا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں، جن لوگوں کے لیے میں نے اتنا عرصہ دشمن ملک میں گزارا، وطن سے دور رہا۔ اپنا حلیہ مستقل طور پر بدلا۔ نام تبدیل کیا۔ بظاہر دوسرے مذہب کا بن گیا، وہ لوگ میری ذرا سی غلطی پر مجھے موت کی سزا سنا رہے ہیں۔ میں ان لوگوں کا وفادار کس طرح رہ سکتا ہوں۔"

"بھئی، ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا اس عمارت میں ہونے والے تمام کام اور باتیں دیکھتا اور سنتا ہے۔"

"لیکن آج وہ شاید اندھا اور بہرہ ہو گیا ہے، ورنہ اس وقت تک اس کا ہاتھ حرکت میں آ چکا ہوتا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے فوری طور پر نکلا۔ انوار شام ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ انہیں وہ لمحہ یاد آ گیا، جب انسپکٹر کامران مرزا نے خدمت گار کا بازو پکڑ کر مروڑ دیا تھا۔

وہ لفٹ کو ایک جھٹکا نہیں لگا تھا۔

"اب تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ اس عمارت کے نظام میں ضرور گڑبڑ واقع ہو گئی ہے۔ انسپکٹر جمشید، ہمیں فوراً چھت پر پہنچ جانا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا زوردار لہجے میں بولے۔

وہ بھی اسی سمت میں چلے جس سمت میں انوار شام کو اٹھا کر لے جانے والے دوڑ پڑے تھے۔ آخر انہیں لفٹ مل گئی۔ لفٹ اس وقت اوپر گئی ہوئی تھی۔ انہیں رکنا پڑا۔ آخر لفٹ نیچے آتی نظر آئی۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ جوں ہی لفٹ نیچے آ کر رکی، اس کا دروازہ کھلا اور اس میں سے تین آدمی نکل کر سامنے کی طرف دوڑنے لگے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، لفٹ میں داخل ہو کر چھت کا بٹن دبا دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اوپر جا رہے تھے۔ لفٹ رکتے ہی وہ باہر نکلے اور انہوں نے بھی ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔

☆☆

فاروق اور آفتاب نے دیکھا، یہ ایک بہت طویل اور عریض چھت تھی۔ انہوں نے زندگی میں کسی عمارت کی اتنی لمبی چوڑی چھت آج تک نہیں دیکھی تھی، لیکن جس چیز کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی تھی، وہ ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز اور ایک ہیلی کاپٹر تھے۔ دائیں طرف انہیں ایک کمرہ نظر آیا۔ اس میں ہزارہا آلات لگے تھے۔ دونوں جہاز اور ہیلی کاپٹر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کمرے کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ تو شاید کنٹرول روم ہے۔" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"یار یہ لوگ تو عقل سے بالکل پیدل معلوم ہوتے ہیں۔"

"تم نے اتنا شاندار اندازہ کس طرح لگایا؟" فاروق نے حیران ہو کر

پوچھا۔

"دیکھو نا، اب اگر ہم اس جہاز میں بیٹھ کر اڑ جائیں تو؟"

"لیکن ہم جہاز اڑا کیا جائیں۔ یہ کوئی موٹر سائیکل یا کار تو نہیں ہے جسے ایک بچہ بھی چلا لے گا۔"

"چلو ہم نہ سہی، کیا ابا جان اور انکل بھی انہیں نہیں اڑا سکیں گے۔"

"ہرگز نہیں، انہوں نے جہاز کبھی نہیں اڑائے۔ ہاں بحری جہاز چلانے کا تجربہ ضرور کر چکے ہیں۔"

"اور انکل خان رحمان، آخر وہ فوجی ہیں۔"

"لیکن وہ ایئر فورس میں نہیں، بری فوج میں تھے۔ انہیں بھی جہاز اڑانا نہیں آتا۔ تم ان لوگوں کے بارے میں یہ کیوں سوچ رہے ہو کہ انہیں ہمارے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں۔ ان لوگوں کو ہمارے بارے میں تمام معلومات تھیں، تبھی تو اتنی آسانی سے اغوا کر لائے ہیں۔ ورنہ ہم اور آسانی سے اغوا کر لیے جائیں۔"

"تو۔ تو کیا پروفیسر داؤد بھی جہاز یا ہیلی کاپٹر کو نہیں اڑا سکیں گے۔" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ سائنس دان ہیں اور سائنس دان پائلٹ نہیں ہوتے۔ تم اتنا بھی نہیں جانتے۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"تب پھر میں تو اسے چلا کر دیکھوں گا۔ کیا خبر میں اسے اڑا ہی لوں اور ہم اس کے ذریعے فرار ہو سکیں۔" آفتاب بولا۔

"تمہارا تو چل گیا ہے دماغ۔"

"ہاں، چل گیا ہے۔ اس عمارت میں قید رہنے کی صورت میں کون سا ہمارے دماغ درست رہ جائیں گے۔" آفتاب نے کہا۔

"لیکن بھئی ایک جہاز کو چلانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ارے ہاں ایک دوسری ترکیب ہے۔" فاروق نے چٹکی بجائی۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا، تم میری ترکیب کو ناقابل عمل قرار دو گے۔ اور خود کوئی تجویز پیش کرو گے۔ یہ تمہاری بہت پرانی عادت ہے۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"پہلی بات یہ کہ ہمیں اغوا کرانے والا ہماری تمام حرکات کو دیکھ رہا ہے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم یہاں کسی ترکیب پر عمل کر سکیں۔" فاروق نے اس کی بات کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔

"اس کی بات چھوڑو، جب تک اسے ہماری ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا نظر آئے گا، وہ کچھ نہیں کہے گا۔" آفتاب نے کہا۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے۔ اب میں دوسری ترکیب کی طرف آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چھت کے دوسرے سرے کی طرف چل پڑا۔

"یہ تم دوسری ترکیب کی طرف آ رہے ہو یا چھت کے دوسرے سرے کی طرف جا رہے ہو۔" آفتاب نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ اور پھر خود بھی چل پڑا۔

"دوسری ترکیب ذرا دوسری طرح کی ہے مائی ڈیئر۔" فاروق مسکرایا۔

"تیسری اور چوتھی طرح کی بھی ہو تو مجھے کیا۔" اس نے منہ بنایا۔

چھت کے سرے پر پہنچ کر فاروق نے نیچے جھانکا اور پھر خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا دوسری ترکیب یہ ہے کہ نیچے چھلانگ لگا دیں۔ اگر ترکیب یہی ہے تو اس سے زیادہ احمقانہ ترکیب میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی، کیونکہ اس طرح ہماری ہڈیاں پسلیاں تو ایک ہو سکتی ہیں اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی کرشمے

کے تحت ہم صحیح سلامت نیچے پہنچ بھی جائیں تو بھی کیا فائدہ۔ اس میدان میں تو ہم پہلے ہی بہت پھانک چکے ہیں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"تم تو ہو عقل سے بالکل پیدل۔ میں کچھ اور سوچ رہا ہوں، یہ عمارت زیادہ اونچی نہیں۔ ہم چھلانگیں لگانے کے بارے میں سوچ ضرور سکتے ہیں، کیونکہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کے سوچنے میں کچھ حرج بھی نہیں ہوتا اور اس وقت میں ایک ایسی ہی بات سوچ رہا ہوں۔"

"ضرور سوچو، اور جب سوچ چکو تو مجھے بھی بتانا۔ شاید میں بھی تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہو جاؤں۔"

"تم ساتھ دو نہ دو، میں عمل ضرور کروں گا۔"

یہ کہہ کر فاروق واپس مڑا اور جہاز کی طرف چل پڑا۔ آفتاب کو مجبوراً اس کا ساتھ دینا پڑا، کیونکہ وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ جہاز بہت ہی ننھا منا تھا۔ اس کا دروازہ کھلا تھا۔ دروازے کے ساتھ ایک سیڑھی لگی تھی۔ وہ بے دھڑک سیڑھی چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ جہاز کے اگلے حصے میں داخل ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ اندر سیٹ پر پائلٹ موجود تھا، اس کا رخ ان ہی کی طرف تھا اور وہ انہیں بہت تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"ہیلو دوستو، کیا ارادے ہیں؟" وہ بولا۔

"السلام علیکم۔" فاروق نے ایک دم ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔ سوچے سمجھے بغیر اس نے فاروق سے ہاتھ ملایا۔ فاروق نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور بولا:

"آؤ آفتاب، تم بھی ان سے ہاتھ ملاؤ۔ یہ بہت نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ارادے کیا ہیں تم دونوں کے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بس ذرا جہاز پر اس چھت کی سیر کرا دیں۔" فاروق بولا۔

"جہاز پر چھت کی سیر۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ یہ کار نہیں ہے۔"

"جہاز رن دے پر بھی تو دوڑتا ہے۔ بس چھت کا ایک چکر لگوا دیں۔" فاروق نے ننھے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا۔

"مگر میں ایسا کیوں کروں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"اس لیے کہ ہم یہاں مہمان ہیں اور مہمانوں کی خواہش کا احترام کرنا آپ کا فرض ہے۔ باس کے نائب کی ہدایت بھی یہی ہے، کیا آپ کو ان کی ہدایت نہیں ملی۔"

"ان کی ہدایت یہ تھی کہ آپ لوگ چھت کی سیر کرنا چاہیں تو کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔" پائلٹ بولا۔

"تب پھر آپ کیوں اعتراض کر رہے ہیں۔ ہم چھت کی سیر کرنے کے لیے ہی تو کہہ رہے ہیں۔"

"لیکن چھت کی سیر جہاز پر؟ میں نے اتنی عجیب خواہش پہلے کبھی نہیں سنی۔"

"اگر آپ سیر نہیں کرائیں گے تو ہم نائب سے شکایت کر دیں گے۔"

"مسٹر بروڈر، انہیں سیر کرا دو۔ میں ان کی حرکات میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" اچانک چھت پر ایک آواز ابھری۔ آواز نائب کی تھی۔

"دیکھا، ہم نے کہا تھا نا، مسٹر نائب کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" فاروق چہکا۔

"ہوں، اچھا آرام سے کرسیوں پر بیٹھ جاؤ۔ دیکھو، کوئی ایسی ویسی حرکت

نہ کرنا۔ کہیں کوئی مصیبت نہ تمہارے گلے پڑ جائے۔ یہ جہاز بہت خطرناک ہے۔" پائلٹ بروڈر نے کہا۔

"جی بہت بہتر۔ ہم آپ کی ہدایت پر عمل کریں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔ آفتاب کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار تھے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ فاروق کی دوسری ترکیب کیا ہے اور وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ چھت کی سیر کیوں کرنے پر تل گیا ہے۔ تاہم وہ بظاہر پرسکون انداز میں بیٹھا رہا۔

پائلٹ نے جہاز سٹارٹ کیا اور آہستہ رفتار میں چھت پر چھوڑ دیا۔ فاروق کی نظریں اس کے ہاتھوں پر جمی تھیں۔

"خیال رہے مسٹر پائلٹ، آپ جہاز کو چھت سے اوپر نہیں اٹھائیں گے۔" فاروق بولا۔

"میں... میں جانتا ہوں، آپ دونوں چھت کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"ارے رفتار بڑھائیے نا، چیونٹی کی رفتار سے کیوں چل رہے ہیں۔ ایسے کیا خاک مزا آئے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"رفتار بڑھانے میں خطرہ ہے۔ یہ چھت سے باہر نہ نکل جائے۔" پائلٹ بولا۔

"نہیں نکلے گا۔ آپ جیسے ماہر کے ہوتے ہوئے جہاز ادھر ادھر نکل جائے۔ لعنت ہے ایسے جہاز پر۔" فاروق بولا۔ اور پائلٹ نے غصے میں آ کر رفتار میں اضافہ کر دیا۔

"بھئی واہ، اب آیا مزا۔ کیوں آفتاب۔"

"ہاں شاید آ تو رہا ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"شاید آرہا ہے۔ تم نے مزے میں شاید شامل کرکے اسے کرکرا کر رکھ دیا۔"

"حد ہو گئی۔ مزے میں ہی آگئے زیادہ۔" آفتاب نے بھی تملا کر کہا۔

"ارے ارے پائلٹ صاحب، سٹیرنگ سنبھالیے۔ جہاز لگا چھت سے۔" فاروق نے اچانک چیخ کر کہا اور سٹیرنگ کے ایک طرف ہاتھ ڈال کر دبا دیا۔ جہاز چلا گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" پائلٹ چلایا۔

"مم، میں۔ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ جہاز کو چھت سے باہر نکلنے سے ضرور بچایا ہے۔"

"ارے بابا، تو سٹیرنگ سے ہاتھ اٹھاؤ نا۔ وہ دیکھو، جہاز کنٹرول روم کی طرف جا رہا ہے۔" یہ کہہ کر بروڈر نے جہاز کا رخ موڑنے میں پورا زور صرف کر دیا۔

اب آفتاب فاروق کی چال سمجھا۔ اس نے بھی فوراً اس جگہ ہاتھ جما دیے، جس جگہ فاروق نے جما رکھے تھے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ پائلٹ جہاز کا رخ موڑنا چاہتا تھا، لیکن وہ دونوں پورا زور لگا کر اس کا رخ کنٹرول روم کی طرف ہی رکھنا چاہتے تھے۔ جہاز تیر کی طرح کنٹرول روم کا رخ کر رہا تھا اور پھر پائلٹ کی بھرپور کوشش دھری رہ گئی۔ جہاز سیدھا کنٹرول روم سے ٹکرایا۔ اس کا دروازہ توڑتا ہوا اندر گھس گیا اور تباہی مچاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی فاروق نے سٹیرنگ سے ہاتھ اٹھا لیا اور تھر تھر کانپتی آواز میں بولا۔

"اف خدا، یہ کیا ہوا؟"

اسی وقت ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا، کنٹرول روم کے پرخچے آسمان کی طرف جاتے دکھائی دیے۔ ساتھ ہی جہاز کو ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ

رک گیا۔

پائلٹ ہکا بکا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت بے تحاشا شور کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی فاروق بولا:

"مسٹر پائلٹ، کنٹرول روم تباہ ہو چکا ہے۔ اب باس کا نائب اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم سے مقابلے کے لیے اسے اوپر آنا پڑے گا، لہٰذا اب تم ہماری ہدایات پر عمل کرو گے۔"

"انہیں اوپر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ عمارت میں دو سو سے زائد آدمی موجود ہیں۔ وہ چند سیکنڈ میں اوپر پہنچنے والے ہیں اور مجھے کیا پڑی ہے، تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کی۔"

"وہ تو تمہیں کرنا ہی ہوگا، کیونکہ اس وقت تمہارا پستول میرے ہاتھ میں ہے اور اس کی نالی کا رخ تمہاری گدی کی طرف ہے۔ لو میں نالی گدی سے چپکائے دیتا ہوں۔ اب تم جانو، تمہارا کام۔ ہدایات پر عمل نہیں کرو گے تو اپنی جان سے جاؤ گے۔"

پائلٹ کی آنکھوں میں وحشت تیر گئی۔ اس نے گھبرا کر اپنی پستول والی جیب پر ہاتھ مارا اور پھر اس کا چہرہ لٹک گیا۔ اسی وقت لفٹ کا دروازہ کھلا اور اس میں سے پندرہ بیس آدمی بھرا مار کر نکلے۔

"فوراً جہاز کے دروازے بند کر دو اور جہاز کا رخ ان کی طرف کر دو۔ ان لوگوں کو کچل ڈالو، ورنہ ہم تو ختم ہوں گے ہی، تمہیں جان سے ضرور مار ڈالیں گے۔" فاروق نے گرجدار آواز میں کہا۔ آفتاب نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔ اس وقت فاروق کے لہجے میں انسپکٹر جمشید کے لہجے کی گرج سنائی دی تھی۔ ادھر پائلٹ کے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا۔ اس نے فوراً چند بٹن دبائے۔ دوسرے ہی لمحے دروازے خود

بجو دبند ہو گئے۔ لفٹ سے اترنے والوں نے جہاز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ وہ سیدھے کنٹرول روم کی طرف دوڑے، لیکن وہاں اب کیا بچا تھا۔ وہ حیرت زدہ سے پلٹے تو جہاز ان کی خبر لینے کے لیے تیزی سے ان کی طرف آ رہا تھا۔ وہ چیخ مار کر ادھر ادھر بھاگے، لیکن پھر بھی ان میں سے کئی جہاز کی لپیٹ میں آ گئے۔ ساتھ ہی جہاز مڑا اور ان کی طرف بڑھا۔ آفتاب اور فاروق نے ان کے چہروں پر خوف کے ایسے آثار دیکھے کہ کیا کبھی کسی کے چہرے پر دیکھے ہوں گے۔ جہاز ان کی طرف بلا کی رفتار سے بڑھ رہا تھا۔

ایسے میں انھیں نہ جانے کیا خیال آیا، وہ سب کے سب تیزی سے ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑے۔ فاروق اور آفتاب کو بھی پہلی مرتبہ ہیلی کاپٹر کا خیال آیا۔ اسے تو وہ بھول ہی گئے تھے۔ ان کے رنگ سفید پڑ گئے۔

☆☆☆

باس آ رہا ہے

فرزانہ، فرحت اور پروفیسر داؤد جوں ہی چھت پر پہنچے تھے، دھماکے نے ان کا استقبال کیا تھا۔ انہوں نے کنٹرول روم کے پرخچوں کو آسمان کی طرف جاتے صاف دیکھا تھا، پھر ان کی نظریں جہاز پر پڑیں تو اس کے اگلے حصے میں پائلٹ کے ساتھ انہوں نے فاروق اور آفتاب کو صاف دیکھا۔ جہاز اس وقت تک کنٹرول روم کو پھاڑتا ہوا نکل آیا تھا اور پھر چکر لگاتا واپس آ رہا تھا۔ عین اسی وقت ان کی نظریں ہیلی کاپٹر پر پڑیں۔ فرزانہ زور سے چونکی۔ اس نے دبی دبی آواز میں کہا:

”جلدی میرے ساتھ آؤ، ورنہ سارا کام خراب ہو جائے گا۔“

یہ کہہ کر وہ جھکی جھکی ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھی۔ اس کے اگلے حصے میں بھی ایک پائلٹ بیٹھا تھا اور حیرت کا بت بنا سامنے کے منظر کو دیکھ رہا تھا اور یہ اس کی حیرت کی زیادتی ہی تھی، جس نے انہیں موقع دیا اور وہ ہیلی کاپٹر پر سوار ہو کر اس کے عین پیچھے پہنچ گئے۔ اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر فرحت نے اس کے پستول پر ہاتھ ڈال دیا۔ اسے اب بھی ان کے بارے میں پتا نہ چلا۔ وہ تو اس وقت ہوش میں آیا، جب شور کی آواز سنائی دی، پھر لفٹ رکی اور اس میں سے پندرہ بیس آدمی نکل کر کنٹرول روم کی طرف دوڑتے نظر آئے۔ پھر جہاز ان کی طرف بڑھا اور ان میں سے کئی کو کچلتا

چلا گیا۔ بچے کچھ آدمی ادھر ادھر بھاگ گئے اور پھر ان کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف ہو گیا۔ اسی وقت ہیلی کاپٹر کا پائلٹ چونکا۔ باس کے آدمی اپنی جانیں بچانے کے لیے ہیلی کاپٹر پر سوار ہونا چاہتے تھے۔ پائلٹ بھی ہیلی کاپٹر کو جہاز سے ٹکرا دینے پر تیار ہو گیا۔ اس نے انجن بھی سٹارٹ کر لیا، لیکن اسی وقت اس کے کانوں سے ایک سرد آواز ٹکرائی۔

"تمہارا پستول ہمارے قبضے میں ہے۔ اب تم ہیلی کاپٹر جہاز سے ٹکرانے کی بجائے اسی جگہ رہنے دو، البتہ اس کا پنکھا چلنے دو۔"

وہ بوکھلا کر پلٹا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ چند لمحے تک وہ بے یقینی کے عالم میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اسی وقت وہ لوگ نزدیک آ گئے۔

"چلو، ورنہ میں فائر کرتی ہوں۔" فرحت غرائی: "دروازے بند کر لو۔"

اور اس نے دروازے بند کر لیے۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے تیزی سے گردش کرنے لگے۔

"جوں ہی ہم کہیں، اسے اوپر اٹھا لے جانا۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا۔"

"انکل، آپ اس پر نظر رکھیں۔ اگر یہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرتا نظر آئے تو ہمیں بتا دیجیے گا۔" فرزانہ نے پروفیسر داؤد سے کہا۔ پھر وہ پائلٹ سے بولی: "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک بہت بڑے سائنس دان ہیں۔"

پائلٹ کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھنے والے اس کے دروازے بند ہوتے دیکھ کر ٹھٹک گئے اور اسی وقت انہوں نے دیکھا، ان کے ہیلی کاپٹر پر بھی قبضہ ہو چکا تھا۔

میں اسی وقت سیڑھیوں کے راستے اوپر آنے والے چھت پر پہنچنا شروع ہو گئے۔

"چلو بھئی، اب چھت پر رہنا ٹھیک نہیں۔ اسے مناسب بلندی پر لے چلو اور سیڑھی لٹکانے کے لیے ہر دم تیار رہو۔ اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔"

پائلٹ نے بے بسی کے انداز میں کندھے اچکائے اور پھر ہیلی کاپٹر اوپر اٹھنے لگا۔

"چھت سے صرف اتنی اونچائی تک رہنا ہے کہ سیڑھی نیچے تک پہنچ جائے۔ ہمیں اپنے ساتھیوں کو اوپر بلانا ہے۔"

پائلٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ مناسب بلندی پر اسے روک دیا۔

انہوں نے نیچے دیکھا اور مبہوت رہ گئے۔ اس سے زیادہ عجیب و غریب منظر شاید انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شیشے کی ایک بڑی عمارت کی لمبی چوڑی چھت پر ایک چھوٹا سا جہاز بجلی کی طرح ادھر سے ادھر گردش کر رہا تھا۔ اس کے گرد آدمیوں کی تعداد میں ہر لمحے اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے نیچے کچلے جا رہے تھے۔ ان میں بھگدڑ مچ رہی تھی۔ جان بچانے کے لیے کوئی ادھر بھاگ رہا تھا تو کوئی ادھر، تاہم ان میں سے کوئی واپس نیچے نہیں جا رہا تھا، حالانکہ نیچے جانے کے لیے راستہ کھلا تھا۔ جلد ہی ان کی آمد بند ہو گئی۔ شاید نیچے جتنے آدمی تھے، سبھی اوپر آ چکے تھے۔

"صرف تم تینوں کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اگر تم ہیلی کاپٹر میں سوار نہ ہو گئے ہوتے تو میں کبھی کا ہیلی کاپٹر کو اوپر اٹھا کر جہاز سے ٹکرا چکا ہوتا اور جہاز بے کار ہو جاتا۔" گلٹ نے دانت پیسے۔

"لیکن یہ لوگ بھی تو احمق ہیں۔ یہ جہاز پر فائرنگ کیوں نہیں کر رہے۔"

فرزانہ بولی۔

”احمق تم ہو۔ یہ جہاز بھی بلٹ پروف ہے۔ اس نے کنٹرول روم کو یوں ہی تو نہیں اڑا دیا۔ یہ کئی خاص دھاتوں کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ عمارت تو پھر شیشے کی ہے۔ لیکن یہ جہاز۔ اس پر توپ کا گولا بھی اثر نہیں کر سکتا۔“

”بھئی واہ، یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔“ فرحت نے خوش ہو کر کہا۔

اچانک انہوں نے ایک آدمی کو لفٹ کی طرف جاتے دیکھا۔

”یہ کون ہے، جو لفٹ کی طرف بھاگ رہا ہے؟“ فرحت نے پوچھا۔ اب انہوں نے دروازے کھلوا لیے تھے۔

”یہ نائب کا خاص آدمی ہے۔ یہ اسے بتانے جا رہا ہے کہ اوپر کیا ہو چکا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔“

”کاش، میں اسے ختم کر سکتی۔ مگر میں پستول پائلٹ صاحب کی گردن سے چپکائے رکھنے پر مجبور ہوں۔“ فرحت نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ اب اس کے نیچے جانے نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔“ فرزانہ بولی۔

چھت پر جہاز تیزی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ دوڑنے والوں کی طرف موت برابر جھپٹ رہی تھی۔ بچنے کی لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ جہاز کی لپیٹ میں آ رہے تھے۔ ان کے رنگ اڑ گئے تھے۔ موت ان کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی، لیکن پھر بھی وہ نیچے کا رخ نہیں کر رہے تھے۔

”یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کنٹرول روم تو تباہ ہو چکا ہے، پھر لفٹ کس طرح چل رہی ہے۔“ فرزانہ بڑبڑائی۔

”یہ کنٹرول روم ٹیلی ویژن سیٹوں اور دوسرے آلات کا تھا۔ بجلی کا پاور سٹیشن کہیں اور ہوگا۔“ پروفیسر داؤد بولے۔

”بالکل یہی بات ہے۔“ پائلٹ بولا۔

اسی وقت انہوں نے لفٹ کو اوپر آتے دیکھا۔ پھر دروازہ کھلا اور انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان چھت پر اترے۔ اس پورے ہنگامے کو سمجھنے میں انہیں صرف چند منٹ لگے۔ انہوں نے جہاز میں آفتاب اور فاروق کو اور ہیلی کاپٹر میں فرزانہ، فرحت اور پروفیسر داؤد کو بھی دیکھ لیا۔ تینوں عجیب بے ساختہ انداز میں ہنسے۔

”یار خان رحمان، میرا جی چاہ رہا ہے، بچوں کی طرح اچھلوں، کودوں اور قہقہے لگانا شروع کر دوں۔“

”اور میرا جی چاہ رہا ہے خوشی سے پاگل ہو جاؤں۔“ خان رحمان بولے۔

”آپ دونوں نے میرے لیے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اب میں کیا کروں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے بے چارگی کے انداز میں کہا۔ اور پھر تینوں نے دشمنوں پر ہلہ بول دیا۔ دشمن پہلے ہی بوکھلایا ہوا تھا۔ ان پر پہلے ہی جہاز کی مصیبت کیا کم تھی کہ اوپر سے یہ نئی افتاد ٹوٹ پڑی۔ بوکھلائے ہوئے دشمنوں کو انہوں نے اس تیزی سے اپنے مکوں اور لاتوں پر رکھا کہ ہیلی کاپٹر والے اور جہاز والے بھی حیران رہ گئے۔ اکثر دشمن تو مکے اور لاتیں کھا کر اچھلے اور عمارت سے نیچے جا پڑے۔ تینوں کو یہ کام زیادہ پسند آیا۔ اس طرح چھت جلدی صاف ہو سکتی تھی۔ ادھر جہاز بھی بہت اچھی طرح صفائی کر رہا تھا۔ ایسے میں فرزانہ نے چلا کر کہا:

”ابا جان، کیا ہم سیڑھی پھینکیں؟“

”ابھی نہیں۔ ابھی محمود اور آصف نیچے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

”اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

محمود اور آصف کا خیال انہیں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ عین اسی وقت انہوں نے آسمان میں ایک گھن گرج کی آواز سنی۔ انہوں نے سر اوپر اٹھائے اور پھر دونوں پائلٹوں اور چھت پر موجود تمام دشمنوں کے رنگ سفید پڑ گئے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

"کیا بات ہے، خیر تو ہے۔" جہاز میں یہ سوال آفتاب نے اور ہیلی کاپٹر میں فرزانہ نے کیا اور چھت پر انسپکٹر جمشید نے اپنے قابو میں آئے ہوئے ایک دشمن سے یہ سوال کیا۔ ان تینوں نے ایک ہی جواب دیا اور وہ جواب یہ تھا:

"باس آ رہا ہے۔"

☆☆

محمود اور آصف نے اس آدمی کو نائب کے دروازے پر رکتے دیکھا تو تیزی سے آگے بڑھے۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا، وہ بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرے میں نائب سر میز پر ٹکائے بے سدھ بیٹھا تھا۔ اس نے گردن دروازے کی طرف موڑے بغیر کہا: "کیا رپورٹ ہے؟"

"سب کچھ تباہ ہو چکا ہے سر، کنٹرول روم کا کچھ بھی نہیں بچا۔" اندر داخل ہونے والے نے کہا۔

"ہوں، اب اوپر کیا ہو رہا ہے۔" نائب نے پوچھا۔

"اوپر جنگ ہو رہی ہے، ایک عجیب و غریب جنگ۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی جنگ کبھی نہیں دیکھی۔ جہاز اور ہیلی کاپٹر ان عجیب و غریب مہمانوں کے قبضے میں ہیں۔ ہیلی کاپٹر فضا میں کھڑا ہے۔ اور جہاز چھت پر ہمارے آدمیوں کی خبر لے رہا ہے۔"

"اوہ، تو کیا سب ساتھی اوپر پہنچ چکے ہیں؟"

"یہ میں نہیں دیکھ سکا۔"

"ٹھیک ہے، تم بھی چھت پر چلے جاؤ، جو حشر سب لوگوں کا ہوگا وہی تمہارا بھی ہونا چاہیے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"اور آپ۔ سر۔ آپ یہیں رہیں گے۔"

"ہاں، اوپر جا کر لفٹ جام کر دینا۔ نہ کوئی نیچے آ سکے، نہ نیچے سے اوپر جا سکے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"آپ۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں سر۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"کچھ نہیں، میں باس کا سامنا نہیں کر سکتا، جاؤ، تمہیں جو کہا ہے، وہ کرو۔" اس کے لہجے میں سختی آ گئی۔

"اوکے سر۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا اور اسے سلیوٹ کیا۔

عین اسی وقت محمود اور آصف باہر نکل آئے اور دبے پاؤں آگے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ برآمدے کا موڑ مڑ گئے، یہ آدمی اسی راستے سے آیا تھا۔ صاف ظاہر ہے، لفٹ کی طرف جانے کے لیے بھی یہی راستہ اختیار کرتا۔

"اگر ہم نے اسے اوپر جانے دیا تو پھر ہم اوپر نہیں جا سکیں گے، ادھر نائب خودکشی کرے گا۔ مطلب یہ کہ یہ عمارت ہمارا مقبرہ بن جائے گی۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"بھئی واہ، شیشے کا مقبرہ۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"اب ہم کیا کریں۔" محمود نے اس کے جملے کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔

"ہم اسے اوپر جانے ہی کیوں دیں۔" آصف بولا۔

"ٹھیک ہے، میں نے بھی یہی سوچا ہے۔"

اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دونوں تیار ہو گئے جونہی وہ آ

موڑ مڑا، اس کے سر پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ دونوں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ برابر اس پر وار کرتے چلے گئے۔ دونوں نے ہاتھ کی ہڈی کا استعمال کیا تھا۔ صرف چند سیکنڈ میں وہ ادھ موا ہو گیا۔ محمود نے اس کی پیٹی میں سے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

''بس اتنا ہی کافی ہے، آؤ، اب ذرا نائب سے دو باتیں کر لیں۔ اس سے پہلے کہ وہ خودکشی کرے۔'' محمود نے جلدی سے کہا۔

''اب ہمیں فوراً اوپر چلنا چاہیے، کہیں ان لوگوں کو ہماری وجہ سے نہ رکنا پڑ رہا ہو۔'' آصف نے تجویز پیش کی۔

''ہاں، تم بھی ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں نائب کا چہرہ دیکھے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اس کی آواز جانی پہچانی معلوم ہوتی رہی ہے۔ اگر اس وقت ہم یہ راز نہ جان سکے کہ وہ کون ہے تو شاید پھر بھی جان سکیں۔''

''اچھا بابا چلو، جلدی کرو، اوپر نہ جانے کیا حالات ہیں۔''

''فکر نہ کرو، میدان ہمارے ہاتھ میں ہے۔'' محمود نے کہا اور جلدی جلدی نائب کے کمرے کی طرف چلا، لیکن اس طرح کہ قدموں کی آواز نہ پیدا ہو سکی۔

انہوں نے دیکھا، دروازہ اس مرتبہ بند نہیں کیا گیا تھا۔ وہ دروازے کے باہر جا کر رک گئے، نائب کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا ہاتھ اوپر اٹھا اور نالی کن پٹی پر آ گئی۔

''خودکشی کرنے سے پہلے اگر آپ یہ بتا دیں کہ ہمیں اغوا کس لیے کیا گیا تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ آپ تو مر ہی رہے ہیں، آپ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

وہ زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تم۔ تم ابھی تک نیچے ہو، اوپر نہیں گئے؟''

''نہیں، ہم آپ کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس خول کے بغیر۔ مہربانی فرما کر ہمارے اغوا کی وجہ بھی بتا دیں۔ چہرہ ہم آپ کی خودکشی کے بعد دیکھ لیں گے۔'' محمود نے کہا۔

''لیکن میں تم دونوں کو ختم کر کے کیوں نہ مروں۔ یہ تم لوگ ہی تو ہو، جنہوں نے سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ تم لوگوں کے بارے میں کس قدر احتیاط برتی گئی تھی۔ نہ جانے کنٹرول روم کا دروازہ کس طرح کھلا رہ گیا۔ اگر اس کا دروازہ بند ہوتا تو جہاز بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔'' اس نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہمیں تو خیر معلوم ہی نہیں کہ چھت پر ہوا کیا ہے۔ کیا آپ ٹیلی ویژن پر نہیں دیکھ رہے تھے۔''

''دیکھ رہا تھا اور میں نے ہی انہیں چھت کی سیر کرانے کی اجازت دی تھی، لیکن میں یہ نہ دیکھ سکا کہ کنٹرول روم کے کمرے کا دروازہ کھلا ہے۔ نہ جانے تمہارے ساتھیوں کے ذہنوں میں یہ بات کس طرح آ گئی کہ جہاز کے ذریعے اگر وہ کنٹرول روم کو تباہ کر دیں تو پانسہ پلٹ سکتا ہے اور یہی ہو گیا اور جتنی دیر میں میں جہاز کو روکنے کے لیے کچھ کر سکتا، وہ کنٹرول روم میں گھس چکا تھا، دوسرے ہی لمحے تمام ٹی وی سیٹ تاریک ہو گئے۔ یہ ایک خودکار کنٹرول روم تھا۔ کسی آدمی کی مدد کے بغیر ہی کام کرتا تھا۔ جہاز اور ہیلی کاپٹر میں پائلٹ ہر وقت اس لیے بیٹھے رہتے ہیں کہ کسی وقت بھی پرواز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ان کی ڈیوٹی البتہ بدلتی رہتی ہے۔'' اس کی آواز ست ہوتی چلی گئی۔

''آپ ہمارا سوال پھر گول کر گئے۔ آخر ہمیں اغوا کیوں کیا گیا تھا؟''

آصف نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

''میں مرتے دم بھی اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ میں اپنے ملک کا

وفادار ہوں۔ اپنے ملک سے غداری کرنا میں نے نہیں سیکھا۔ ایک ذرا سی غلطی کی میں خود کو اتنی بڑی سزا دے رہا ہوں کہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہا ہوں۔ یہ کیا کم ہے۔ لو تم بھی مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے پستول کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اگر مارنا ہی ہے تو اپنا چہرہ دکھا کر ماریے۔ مرنے کے بعد بھی کیوں ہمیں سسپنس میں مبتلا رکھتے ہیں اور جب ہمیں مرنا ہی ہے تو پھر یہ بتا دینے میں کیا حرج ہے کہ ہمیں کیوں اغوا کیا گیا ہے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ دونوں کام نہیں ہوں گے، کیوں کہ کسی آدمی کی موت کے بارے میں اس وقت تک یقین نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ اس کے دل کی حرکات نہ چیک کر لی جائیں۔ بعض اوقات تو دل کی حرکات رکنے کے بعد بھی آدمی دوبارہ اُٹھ بیٹھتا ہے، لہٰذا میں کیسے تمہیں یہ بات بتا دوں اور کیسے اپنا چہرہ دکھا دوں۔ مجھے دکھ ہے تو یہ کہ اس منصوبے کی ناکامی پر باس کا کیا حال ہوگا۔ میں زندہ حالت میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا۔"

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت شیشے کے در و دیوار میں تھرتھراہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا اور پھر اس کے منہ سے نکلا:

"ب۔ باس۔ آ رہے ہیں۔"

(دوسرا حصہ ختم ہوا)

-----------☆☆☆-----------

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اغوا کی شاخ

اشتیاق احمد

اٹلانٹس پبلیکیشنز

www.urdukorner.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

پُراسرار اغوا

اشتیاق احمد

www.urdukorner.com